www.KitaboSunnat.com

انٹرویو پینل☆

اِنٹرویو

حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ کا تحقیقی اور تعلیمی مشن

س: تعمیر شخصیت اور علمی رجحانات کا مختصر تعارف کروائیے؟

ج: بچپن سے ہی میں دھیمے مزاج کا حامل ہوں، اگرچہ میرے قابل رشک حافظے کے ساتھ ہر چیز پر توجہ دینے کے مزاج کی وجہ سے میرا شمار بہت ذہین لوگوں میں ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا کہ پورے گھر میں میرے حافظے پر بہت اِعتماد کیا جانے لگا۔ والدِ گرامی حافظ محمد حسین امرتسری روپڑی رحمہ اللہ کاروباری آدمی بھی تھے۔ لاہور کے تجارتی معاملات میں کسی نے اُنہیں جعلی چیک دے دیا۔ ایک پنچائیت میں فیصلہ ہوا کہ چیک کی بجائے اَصل رقم دی جائے۔ والد صاحب نے اَصل رقم لینے کے لیے بڑے بیٹے حافظ عبداللہ حسین کو ملزم کے ہمراہ بھیجا۔ وہ سائیکل بھی لے بھاگا۔ ہمارے پاس Raleigh سائیکل ہوتا تھا جو ان دنوں کوالٹی کے اِعتبار سے بہت اچھی سواری سمجھی جاتی تھی۔ وقوعہ یوں ہوا کہ جس شخص نے جعلی چیک دیا تھا، اس نے کہا کہ سائیکل مجھے دو، میں اَبھی پیسے لے کر آتا ہوں۔ چھوٹی عمر کی وجہ سے بھائی صاحب نے سائیکل اُسے دے دی۔ وہ سائیکل سمیت غائب ہوگیا۔ کافی دیر بعد بڑے بھائی (حافظ عبداللہ حسین رحمہ اللہ) جب واپس آئے تو اُنہوں نے والد صاحب کو بتایا کہ وہ تو سائیکل بھی لے گیا ہے۔ والد صاحب نے تھانہ ماڈل ٹاؤن میں رپٹ درج کروا دی۔ ان دنوں پولیس کے حالات کافی بہتر ہوتے تھے۔ پولیس نے ملزم کو سائیکل سمیت پکڑ لیا۔ اب سائیکل ہم نے اپنی تحویل میں لینا تھا۔ پولیس کا مطالبہ تھا کہ آپ رسید لے کر آئیں۔ عام طور پر سائیکلوں کی رسیدیں کم ہی سنبھال کر رکھی جاتی ہیں۔ یہ سائیکل ہم نے رستم سہراب فیکٹری کے ڈائریکٹر جناب محمد یٰسین (سابق امیر جماعت اہل حدیث پاکستان) کے ذریعے لیا تھا۔ اس سلسلے میں جب ان سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ رسید تو میں بنا دیتا ہوں لیکن سائیکل کا نمبر چاہیے۔ اب نمبر کسی کو یاد نہیں تھا۔ والد صاحب نے شام کے وقت گھر آکر ذکر کیا کہ سائیکل تو پولیس نے برآمد کرلیا ہے لیکن نمبر علم نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں نہیں مل سکتا۔ میں بالکل چھوٹی عمر کا تھا۔ میں نے کہا کہ وہ نمبر مجھے یاد ہے۔ سائیکل کا نمبر گدی کے نیچے ہوتا ہے، جو میں نے اتفاق سے ایک دن پڑھ لیا تھا، میں نے بتایا کہ اس کا نمبر AK23842 ہے۔ چنانچہ والد صاحب نے اسی کے مطابق رسید تیار کرا کر سائیکل حاصل کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد میرے ذہن کو گھریلو امور میں رجسٹر کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ ہم عام طور پر دودھ حاصل کرنے کے لیے گھر میں جانور رکھا کرتے تھے، چنانچہ جانوروں کے جتنے بھی معاملات ہوتے، مجھے بتا دیئے جاتے۔ نومولود بچوں کی عمروں کے حساب وغیرہ بھی مجھے آج تک یاد ہیں۔

میں نے سات سال سے بھی کم عمری میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔ چونکہ آواز دھیمی ہونے کے باوصف باریک بھی تھی اس لیے جب بعض مجلسوں میں خواتین نے میرا قرآن سنا تو کہنے لگیں کہ کوئی بہت چھوٹی بچی قرآن پڑھ رہی ہے۔ میری اسی ذہانت کی وجہ سے والد صاحب کی خواہش تھی کہ میں اجل عالم دین بنوں۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ

☆ فضلائے جامعہ لاہور الاسلامیہ: نعیم الرحمٰن ناصف، فہد اللہ مراد، مصطفیٰ راسخ ؍ رفقاء مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمہاری بڑی بہنوں کے بعد میں نے تمہیں بھی دینی تعلیم مکمل کرائی ہے تاکہ تم چھوٹے بہن بھائیوں کو عالم دین بنا سکو۔ ہم دس بہن بھائی تھے جن میں سے آج سات حیات ہیں۔ والدہ اور والد(رب ارحمهما كما ربياني صغيرا) بالترتیب یکم اکتوبر ۱۹۵۴ء اور ۲۔اکتوبر ۱۹۵۹ء (بروز جمعۃ المبارک) داغ مفارقت دے گئے۔

میرا تعلیمی دورانیہ تقریباً ۱۹۴۹ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک ہے۔ ان دنوں دینی مدارس اِداروں کی شکل اختیار کر رہے تھے لیکن پورا مدرسہ کسی بڑی علمی شخصیت کے گرد ہی گھومتا تھا۔ جب کوئی مشہور شخصیت شیخ الحدیث کی مسند پر بیٹھ جاتی تو طالب علم اس مدرسہ کی طرف رُخ کرنے لگتے تھے۔ اگرچہ ہمارے خاندان کی دو معروف علمی شخصیات (حافظ عبداللہ محدث امرتسری روپڑی رحمہ اللہ اور شیخ التفسیر حافظ محمد حسین امرتسری روپڑی رحمہ اللہ) نے الگ الگ ہر فن کے امام سے وہ علم حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

ہماری خاندانی درسگاہ جامعہ اہلحدیث کا باقاعدہ افتتاح ۱۹۵۶ء میں ہوا تو اس میں بڑے بڑے علماء داخل ہوئے جن میں مفتی محمد صدیق (سرگودھا والے)، شیخ الحدیث مولانا محمد گنگن پوری اور مناظر اسلام حافظ عبدالقادر روپڑی بھی شامل تھے۔ فارغ التحصیل علماء کو ان کی نصابی کتابوں کی دہرائی کے لیے ایک خاص کلاس بنائی گئی جس کے لیے ہر فن کی ایک اساسی جامع کتاب منتخب کی گئی۔ اس طرح درس نظامی کا خلاصہ فارغ التحصیل علماء کو پوری تحقیق کے ساتھ دوبارہ پڑھا دیا گیا۔ فنون کے خلاصہ کے طور پر نحو میں کافیہ، صرف میں اصول اکبری، منطق میں شرح تہذیب، بلاغت میں تلخیص المفتاح اور اُصول حدیث کی نخبۃ الفکر کو بطور علم پڑھایا جاتا تھا۔ گویا طرزِ تدریس میں کوشش ہوتی کہ ہر فن کی ایک کتاب پڑھنے سے ہی اس فن کا عالم تیار کر دیا جائے۔ والد گرامی اسی طرز پر تمام فنون آسان ترین انداز میں پڑھاتے کہ علماء کے ساتھ ساتھ ایک ادنیٰ طالب علم بھی مستفید ہو سکے۔ اندازہ کیجئے کہ نخبۃ الفکر کا مختصر متن ہمیں اس شرح وبسط کے ساتھ سمجھایا گیا کہ شرح نخبۃ اور مقدمہ ابن الصلاح کی ضروری بحثیں بھی شامل ہو گئیں۔

الحمدللہ ان کی توجہ خاص اور دعاؤں کی بدولت مجھے بڑے بڑے علماء کے ساتھ پڑھنے میں کوئی مشکل حائل نہ ہوتی بلکہ اچھے ذہن وحافظہ کی وجہ سے اَکثر اَیسا ہوتا کہ ایک بار میں کوئی عبارت دیکھ لیتا تو مجھے کافی حد تک یاد ہو جاتی اور تھوڑی سی توجہ کے بعد بالکل حفظ ہو جاتی۔ مجھے اصول اکبری کی اہم بحثیں، مصدر ثلاثی مجرد کے ۷۰ وزن آج تک ازبر ہیں۔ اسی طرح تخفیف ہمزہ اور تعلیلات کے عربی قواعد بھی اسی کتاب سے یاد ہیں۔ مثال کے طور پر تخفیف ہمزہ کا پہلا قاعدہ یوں ہے:

”الهمزة الساكنة يجوز قلبها بأخت حركة ما قبلها إن لم تكن همزة، وإلا يجب إذا كانتا في كلمة، وإلا لم يجب. وشذ الحذف وجوبا في خذ وكل وجوازا في مر، وهو أفصح من اومر كوأمر فأمر من ومر فمر.“

اسی طرح اصول اکبری (عربی) میں مصدر ثلاثی مجرد کے جو اوزان مجھے یاد ہیں وہ یہ ہیں:

حَمْدٌ	شُكْرٌ	بِشْرٌ	شَعْرَةٌ	شِعْرَةٌ	شُعْرَةٌ
فَرَحٌ	لَعِبٌ	كِبَرٌ	سُرًى	رُحُمٌ	أَنَسَةٌ
كَذِبَةٌ	صَلَاحٌ	قِيَامٌ	أُوَامٌ	دَلَالَةٌ	دِلَالَةٌ
دُلَالَةٌ	دَبِيبٌ	صَنِيْعَةٌ	رَقُوبٌ	رُقُوبٌ	زِيُوحٌ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أُلُوهَةٌ	أُلُوهِيَّةٌ	رَغْبَىٰ	فِكْرَىٰ	نُعْمَىٰ	خَطَفَىٰ
خَيْطَفَىٰ	خَنْسَرَىٰ	خَوْزَنَىٰ	شَنَئَانٌ	شَنَئَانٌ	دِرْيَانٌ
قُرْآنٌ	قَطِرَانٌ	عِرِفَّانٌ	فُرُكَّانٌ	عَلَانِيَةٌ	عَيْشُوْشَةٌ
دَيْمُومَةٌ (أصلها) دَيْوَمُوْمَةٌ		لُكْنُونَةٌ	بَاقِيَةٌ	رُفَهْنِيَةٌ	خَيْزَلٌ
سُؤْدَدٌ	سُؤْدُدٌ	تَيْقُورٌ	عِلَّوْزٌ	هِجِرٌّ	أَفْكَلُ
إِرْزِيْزٌ	أُزْبِيٌّ	تِمْشَاءُ	تُهْلُوكٌ	مَطْلَعٌ	مَطْلِعٌ
مَهْلُكٌ	مَقْدَرَةٌ	مَقْدِرَةٌ	مَقْدُرَةٌ	مِقْدَارٌ	تَهْلَكَةٌ
تَهْلِكَةٌ	تَهْلُكَةٌ	مَشْعُورٌ	مَشْعُورَةٌ		

مصدری مبالغہ کے اوزان ان کے علاوہ ہیں، یہ مبالغہ کے اوزان اور صفت مشبہ کے دوسو سولہ وزن کافی عرصہ تک مجھے یاد رہے۔

چونکہ بچپن اور ابتدائی جوانی میں پڑھی گئی زیر درس کتابوں کی اکثر عبارتیں مجھے خود بخود یاد ہو جاتیں۔ جیسے بلوغ المرام کے کافی حصے مجھے عرصہ تک یاد رہے۔ (مکتبہ رحمانیہ میں یہ بلوغ المرام، جس کو میں نے مکمل مشکّل کر دیا تھا، محفوظ ہے)

جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ اپنی خاندانی درسگاہ جامعہ اہل حدیث قائم ہو جانے کے بعد والد صاحب مجھے مسجد قدس، چوک دالگراں (رام گلی نمبر ۵) میں ہمراہ لے جاتے۔ میں نے علوم آلیہ کی اساسی کتابیں فارغ التحصیل علماء کے ساتھی کی حیثیت سے پڑھی تھیں جو عربی زبان کے علوم صرف ونحو اور بلاغت کے علاوہ منطق وغیرہ پر مشتمل تھیں۔ ان کے ساتھ علوم عالیہ میں سے اصول (اُصول تفسیر، اُصول حدیث وفقہ) کی ابتدائی کتابیں زیادہ تر والد گرامی سے پڑھیں۔ انہی دنوں والد صاحب کی مزمن بیماری سل ودق شدید ہو جانے کے باعث میں ان سے بلوغ المرام، منتقی الأخبار (متن نیل الاوطار) اور الجامع الصحیح للبخاری گھر میں پڑھتا رہا اور کئی چھوٹے بڑے مخطوطے بھی والد صاحب نے مجھے املاء کروائے۔

چونکہ میں بنیادی کتابیں والد گرامی اور اپنے تایا محدث روپڑی سے پڑھ چکا تھا اس لیے والد گرامی کی وفات کے بعد میرے سرپرست محدث روپڑی اور میرے بہنوئی حافظ محمد اسماعیل روپڑی نے مجھے دیگر مکاتب فکر کے اہل علم سے نہ صرف پڑھنے کی اجازت دی بلکہ مولانا اسماعیل روپڑی کے دیگر مکاتب فکر کے علماء اور مشائخ سے رواداری اور ان کے بے پناہ عزت واحترام کو دیکھ کر میں ان علماء کا بھی گرویدہ ہوتا رہا۔ نیز استاذین مرحومین کی اس نصیحت کے پیش نظر کہ ہر علم وفن اس کے ماہر سے حاصل کرنا چاہیے، میں نے ماڈل ٹاؤن کے قریب مسلم ٹاؤن لاہور کے بالمقابل جامعہ اَشرفیہ کے نئے کیمپس جانا شروع کر دیا جس میں بہت سے علوم آلیہ کے علاوہ علوم عالیہ سے فقہ واصول بھی کبار اساتذہ سے پڑھتا رہا، جبکہ فقہ الحدیث میں خصوصی طور پر مولانا رسول خان اور مولانا اِدریس کاندھلوی رحمهما الله کے تبحر علمی سے فیض یاب ہوا۔ اسی طرح سواری مہیا ہو جانے پر جامعہ مدنیہ واقع مسلم مسجد، لوہاری گیٹ۔ لاہور میں ماہر علوم وفنون مولانا شریف اللہ خان وغیرہ سے منطق وفلسفہ، علم ہیئت وکلام کی آخری نصابی کتابیں بھرپور توجہ سے پڑھیں۔ اس سے قبل مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ میں نے قرآن کریم کا اِبتدائی چوتھا پارہ ایک بہت بڑے استاد

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قاری سے حفظ کیا تھا۔ یعنی میں اپنے بڑے بھائی حافظ عبداللہ حسینؒ کے ہمراہ قاری فضل کریمؒ کے مایہ ناز اُستاد قاری کریم بخشؒ کا شاگرد ہوں، جو امرتسر میں پڑھاتے تھے، میں نے وہیں ناظرہ پڑھے بغیر حفظ کی ابتدا کی تھی۔

اگرچہ عم محترم محدث روپڑی نے مجھے والد گرامی کی وفات کے فوراً بعد جامعہ اہل حدیث میں ان کا قائم مقام بنا دیا جس کی وجہ سے نظامت کے ساتھ ساتھ بعض کتابوں کی تدریس کی ذمہ داری بھی اٹھانی پڑی تاہم اسی دوران وقت نکال کر میں دیگر مکاتب فکر کے مشہور مدارس میں بھی پڑھتا رہا۔ علوم عالیہ کے اعلیٰ ترین حصے قرآن وحدیث کی کافی تعلیم میں نے اَپنے والد مرحوم سے حاصل کر رکھی تھی خاص طور پر ان کے اساسی ذوق اُصولِ حدیث وتفسیر کی۔ بعدازاں فقہ واصول کا جائزہ کتاب وسنت کی روشنی میں ہمیں محدث روپڑی کرواتے رہے اور صحیح بخاری بھی میں نے دوبارہ محدث روپڑی سے پڑھی اور مشکوۃ سمیت صحاح ستہ کی تکمیل بھی محدث روپڑیؒ اور مولانا محمد عبدہ فیروزپوریؒ وغیرہ سے کی۔ اِنسان جب مختلف اساتذہ سے پڑھتا ہے یا دیگر حلقوں میں جاتا ہے تو اَثر ضرور قبول کرتا ہے۔ اس حوالے سے مجھ پر زیادہ شوق اس امر کا سوار ہوا کہ میں آزادانہ تحقیق کروں۔ خاص طور پر مولانا رسول خان صاحب جب دورۂ حدیث کروا رہے تھے تو اس وقت ان کی حدیث کے ساتھ حنفی فقہ کی مطابقت کے لیے بحثیں بہت زوردار ہوا کرتی تھیں جن سے مجھے تقابلیفقہ کا ذوق پیدا ہوا، جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ پہنچ کر پورا ہوا۔

میں اور میرے بڑے بھائی حافظ عبداللہ حسین ایک دفعہ سرگودھا گئے تو وہاں حافظ محمد ابراہیم کمیر پوریؒ سے ملاقات ہوئی وہ اہل حدیث اکابر علماء کا ذکر کرتے ہوئے ان کے امتیازات پیش کرنے لگے۔ جن میں سے مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ، حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ، مولانا ثناء اللہ اَمرتسری رحمہ اللہ اور پھر ہمارے والد گرامی کا تذکرہ کیا۔ کہنے لگے کہ آپ کے والد صاحب کا اِمتیاز رسوخ فی العلم کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا تھا۔

واقعتاً وہ بہت متقی تھے، کاروباری معاملات میں بھی ان کی احتیاط انتہائی زیادہ ہوتی تھی۔ ہمیں کہا کرتے تھے کہ دینی مدارس میں چونکہ زکوۃ وخیرات آتی ہے اس لیے اس میں سے تنخواہ لینے والا اس کا پورا پورا حق اَدا کرے، ورنہ یہ انسان کی اَولاد کو تباہ کردیتی ہے۔ اس بارے میں اتنی احتیاط فرماتے کہ ہم جو کھانا گھر سے لے کر جامعہ اہلحدیث میں پڑھنے جاتے تو ہمیں جامعہ کے چولہوں پر کھانا گرم کرنے کی اجازت نہ دیتے، کہتے کہ یہ چولہے زکوۃ وخیرات سے چلتے ہیں اس لیے ان پر ہمیں کھانا گرم نہیں کرنا چاہئے۔

میں جامعہ اہل حدیث میں اپنی ابتدائی تعلیم کا ذکر کر چکا ہوں کہ میرے سارے ساتھی عمر میں مجھ سے کافی بڑے تھے اس وجہ سے والد گرامی کو فکر ہوتی کہ شائد کوئی اہم شے مجھے پوری طرح سمجھ نہ آئی ہو۔ لہٰذا وہ جامع قدس سے ماڈل ٹاؤن تک بس میں آتے جاتے مجھے پڑھایا کرتے یا پڑھایا جانے والا سبق دوبارہ سمجھاتے رہتے۔ اس طرح میں ایک ہی سبق تین تین دفعہ پڑھ لیتا۔ اس دوران میں سوالات بھی کرتا تھا، کیونکہ جب انسان کو سمجھ آنے لگے تو وہ سوال زیادہ کرنے لگتا ہے۔ کلاس میں بھی کوئی الجھاؤ والی بحث ہوتی تو میں اس میں کوئی نہ کوئی اعتراض پیش کردیتا۔ بسا اَوقات والد گرامی حوصلہ افزائی فرماتے کہ عبدالرحمٰن کے سوال میں وزن ہے۔ جس سے میں مغالطے کا شکار ہوگیا کہ میں کوئی بڑی شے ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس مغالطے کے ازالہ کیلئے اس طرح مجھے ہدایت فرمائی کہ اس بارے میں حافظ عبداللہ محدث امرتسری روپڑی رحمہ اللہ نے بہت اَچھے طریقے سے میری تربیت کی۔ اُنہیں میرے عنفوان شباب کے تعلّی آمیز روّیوں

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے محسوس ہوا کہ میں اپنے بارے میں عالم وفاضل ہونے کا مغالطہ رکھتا ہوں تو وہ میری اِصلاح کیلئے کوشاں ہوئے۔ (اسکا ذکر آگے آرہا ہے) اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے اوران کی مغفرت فرمائے۔آمین

میں ذکر کر چکا ہوں کہ میں نے بخاری شریف اپنے والد گرامی سے پڑھنے کے بعد دوبارہ حافظ عبداللہ محدث امرتسری روپڑی رحمہ اللہ سے بالاستیعاب پڑھی۔ دونوں بزرگوں کا الگ الگ اسلوب تھا۔والد گرامی کو صحیح بخاری کے پہلے چھ پارے زبانی حفظ تھے جبکہ مجھے پڑھاتے ہوئے وہ امام بخاریؒ کے منہج تصنیف اور اُسلوبِ استدلال پر زیادہ زور دیتے کہ اِمام بخاری رحمہ اللہ کس پائے کے مجتہد عالم ہیں۔اسی اجتہادی اور اصولی شوق کے پیش نظر بعدازاں میں نے اپنی Ph.D کے لیے''أصول الاجتهاد في الجامع الصحيح للإمام البخاريؒ'' موضوع چنااور اپنے ڈاکٹریٹ کے مذکورہ بالا مقالہ کی تیاری میں مجھے اپنے شیخین مرحومین کے اس دور کی راہنمائی بہت کام آتی رہی۔

میں نے جب محدث روپڑی سے بخاری پڑھی تو میرے ساتھیوں میں دور حاضر کے کئی اکابر اہل علم اور مبلغ شامل تھے۔ جن میں حافظ ثناء اللہ مدنی، مولانا عبدالسلام کیلانی اور سید حبیب الرحمٰن شاہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ محدث روپڑی رحمہ اللہ کا دھیما مزاج تھا اور وہ ڈانٹتے بالکل نہیں تھے۔ عام طور پر ہم ساری کلاس کے بیس،پچیس ساتھیوں کے علاوہ بعض اجل مشہور علماء ان کے درس میں آکر بیٹھ جاتے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ محدث روپڑی کے پرانے شاگرد علامہ محمد یوسف کلکتوی ہمارے بخاری کے درس میں آبیٹھے تو قرآن مجید کی قرآءتوں پر بحث شروع ہوگئی، کیونکہ علامہ صاحب نے دینی جرائد میں اشتہار دے رکھا تھا کہ جو شخص 'أنزل القرآن على سبعة أحرف' [صحیح بخاری:] کی صحیح تشریح کر دے اس کو میں پانچ سو روپے (آج کے لاکھوں برابر) انعام دوں گا۔ اس بحث میں ہم طلبہ نے بھی دلچسپی لی اور سوال وجواب سے کافی ذہن کھلا۔

ہمارے سوالات وجوابات سے روزانہ بخاری پڑھنے کا دورانیہ اس قدر طویل ہو جاتا کہ ہم صبح بیٹھتے اور شام تک بخاری کا سبق چلتا رہتا۔ کتاب الایمان (صحیح بخاری) پڑھتے ہوئے جب یہ ذکر آیا کہ نبی اکرم ﷺ کی بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تحویل قبلہ کے وقت والی نماز کون سی تھی؟ تو محدث روپڑیؒ نے وأنه صلى أوّل صلاة صلاها صلاة العصر کی مشکل عبارت کی ترکیب شاگردوں سے پوچھی۔ شارحین بخاری اس عبارت کو ترکیب کے اعتبار سے اہم قرار دیتے ہیں۔ محدث روپڑی رحمہ اللہ نے باری باری سارے طلباء سے کہا کہ اس کی ترکیب بتاؤ۔ اپنی باری آنے پر جب میں نے اپنی ترکیب پیش کی تو وہ کہنے لگے کہ یہ ترکیب غلط ہے۔ میں نے کہا: کیسے غلط ہے؟ انہوں نے میری غلطی واضح کرتے ہوئے کہا کہ اگر یوں ترکیب کریں تو؟ اس پر میں نے صاد کیا، جس پر وہ کہنے لگے: یہ ترکیب بھی غلط ہے۔ گویا اس طرح دو تین دفعہ ترکیبیں مجھ سے کروانے کے بعد جب ہر دفعہ میں تسلیم کر لیتا تو کہتے کہ یہ بھی غلط ہے۔ گویا انہوں نے مجھے باور کرایا کہ اپنے بارے میں مغالطہ نہیں ہونا چاہیے ﴿وفوق كل ذي علم عليم﴾ اس طرح مجھے احساس ہوگیا کہ جس صرف ونحو کی مہارت پر مجھے بہت اِعتماد ہے، اس کی حالت بھی پتلی ہے۔ ان کے انداز تدریس کے فوائد میں سے بڑی نعمت جو ہمیں حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ صحیح بخاری کے مشکل اہم مقامات حل ہوتے گئے۔ بڑے محدث اور فقیہ سے اس طرح بخاری پڑھنے سے ہماری سوجھ بوجھ کافی کھل چکی تھی جس کا اندازہ پانچ چھ سالہ جامعہ اہلحدیث میں تدریس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں طالب علم بن کر ہوتا رہا۔ اتفاق سے محدث روپڑی کے تین شاگرد میرے سمیت حافظ ثناء اللہ اور عبدالسلام کیلانی کلیہ الشریعہ (مدینہ یونیورسٹی)

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں متعلّم تھے کہ ایک دن جامع بخاری میں مذکور ایک حدیث مدینہ منورہ کے مشہور قاضی شیخ عطیہ سالم کے محاضرہ میں زیر بحث آ گئی۔ جس کے راوی عروہ البارقی رضی اللہ عنہ ہیں۔ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ البارقی کو ایک دینار دیا تھا کہ بکری خرید کر لاؤ، انہوں نے اس دینار کی جو بکری خریدی وہ رستے میں ہی دو دینار میں بک گئی۔ پھر انہوں نے ان دو دیناروں میں سے ایک دینار کی بکری دوبارہ خریدی اور ایک دینار واپس بھی لے آئے جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیع میں برکت کی دعا دی۔ [کتاب المناقب:٣٦٤٢]

اس حدیث کا متن اگرچہ صحیح بخاری میں موجود ہے لیکن یہ متن اکثر محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی روایت کا متن مع سندِ ضعیف صحیح بخاری میں کیوں ہے؟ ابن حجر رحمہ اللہ بلوغ المرام میں اس حدیث کو ذکر کر کے تبصرہ کرتے ہیں: أخرجه البخاري في ضمن حديث ولم يسق لفظه (امام بخاری نے ایک دوسری حدیث کے ضمن میں اس حدیث کا اخراج کیا ہے لیکن اس متن کی روایت نہیں کی۔ کیونکہ شیخ محمد ناصرالدین البانیؒ نے ارواء الغلیل تخریج منار السبیل میں اسے صحیح قرار دیا ہے اور کئی دیگر محدثین نے اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ابن حجر کی غلطی ہے، صحیح بخاری میں یہ روایت سند سمیت موجود ہے۔ مدینہ یونیورسٹی کی ایک کلاس میں جب یہ سوال اٹھا تو مولانا عبدالسلام کیلانی اس بحث کو سٹاف روم تک لے آئے۔ جہاں یہ بحث مدینہ یونیورسٹی کے ماہر اساتذۂ حدیث کے درمیان دو دن تک مسلسل چلتی رہی۔ ہمارا موقف یہ تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اسے کسی علمی نکتے کی وضاحت کیلئے لائے ہیں کیونکہ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں ہے۔ اس کی سند میں 'حي' (قبیلہ) مبہم راوی ہے۔ یعنی مبہم نامعلوم شخص ہوتا ہے، ایسے غیر متعین شخص کی توثیق بھی نہیں ہو سکتی۔ شرط پر نہ ہونے کے باوجود اس کا صحیح بخاری میں روایت ہونا الجامع الصحیح پر الزام ہو جائے گا کہ امام بخاری مبہم شخص سے بھی روایت کرتے ہیں۔

ہم اس کی تائید میں ابن حجرؒ کی مذکورہ بالا عبارت پیش کرتے کہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت نہیں بلکہ یہاں اس حدیث کے معلول ہونے کا اشارہ ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ کا تبصرہ قابل غور ہے۔ امام بخاری ''الخير معقود بنواصي الخيل إلى يوم القيامة'' کے ضمن میں اس کی جس سند کا ذکر کر رہے ہیں حسن بن عمارہ (راوی) نے اسی سند سے عروہ البارقی کی یہ حدیث روایت کر دی ہے جو ان کی غلطی ہے۔ اس کی اصل سند وہ ہے جس کے اندر قبیلہ کے مبہم راوی کا ذکر ہے جو سند ضعیف ہے۔ لہٰذا عروہ البارقی کی یہ معلول حدیث امام بخاری کی مرویات میں شامل نہیں ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ جب اِس بحث کا سٹاف روم میں اِختتام ہوا تو اس بحث میں مدینہ یونیورسٹی کے شریک ہونے والے اُساتذہ میں سے جلیل القدر محدث شیخ حماد بن محمد انصاری کہنے لگے: ''أستفيد منهم أكثر مما يستفيدون مني'' (وہ مجھ سے اِتنا علمی فائدہ نہیں اٹھاتے جتنا میں ان سے اٹھاتا ہوں) شریک مجلس پاکستانی استاد حدیث مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ نے ہماری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: ''كيف لا! وهم تلاميذ المحدث الكبير الحافظ عبدالله الروبري'' اس طرح ہمیں بڑی خوشی ہوئی، کیونکہ انعام کے طور پر شیخ حماد انصاری نے مجھے تیسیر العزیز الحمید شرح کتاب التوحید جو انہی دنوں طبع ہو کر نئی مارکیٹ میں آئی تھی، اپنے ہاتھ سے عبارت لکھ کر تحفتاً دی۔ آپ اندازہ کریں کہ اس طرح گہرائی کے ساتھ بخاری پڑھنے کا ہمیں کتنا فائدہ ہوا تھا؟

میرے خاندانی اہلحدیث مسلک کی بنیاد کتاب سنت پر ہے۔ مختلف مدارس میں تعلیم پانے کی وجہ سے مجھ میں جو

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آزادانہ تحقیق کا رُجحان بڑھا، وہ بعد میں کتاب وسنت سے استنباط اور اجتہاد کا مستقل رویہ بن گیا۔ اختلافی جزوی مسائل میں خاص رائے پر زور دینے کی بجائے اَندازِ استدلال کی اَہمیت کا رجحان بنتا رہا۔ مزید برآں اللہ نے مجھے جو مدینہ یونیورسٹی جانے سے قبل پانچ چھ سال جامعہ اہل حدیث میں پڑھانے کا موقع دیا تھا وہ نہ صرف میری تدریسی زندگی کی کلید بنا بلکہ علوم وفنون میں گہرائی کا باعث ہوا۔ آج کے کئی بڑے شیوخ اس دور میں مجھ سے پڑھا کرتے تھے جن میں قاری محمد یحییٰ رسولنگری ﷾ بھی شامل ہیں۔ آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ مجھے اپنی دنیاوی تعلیم کے بعد دینی علوم کی تحصیل کا پہلے دس سال تجربہ ہوا وہی اپنی تدریس اور بیرون ملک تعلیم کے دس سال پختہ ہوتا رہا۔

مدینہ یونیورسٹی کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر مجھے مشہور جامعات اور مختلف معاشروں کو دیکھنے کا بھی موقع ملا، اسی طرح دینی صحافت کے میدان میں اتر کر پاکستان کے علمی اور فکری حلقوں سے واقف ہوا۔ دینی ادارہ کا مہتمم ہونے ساتھ ساتھ علمی صحافت کے علمبردار مجلّہ ماہنامہ محدث لاہور سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اہم مذاکروں میں شرکت اور فکری حلقوں میں بھی گھومتا رہا۔ جس سے اندازہ ہوا کہ پاکستان کی علمی فضاء محدود ہے جب کہ ہمارے خاندانی مرکز جامعہ اہلحدیث کی فضاء اس سے بھی مخصوص تر تھی کیونکہ اس پر روپڑی ثنائی اِختلافات کی لہر چھائی ہوئی تھی۔ اس کے اَثرات مجھے مدینہ منورہ سے واپس آنے پر زیادہ محسوس ہونے لگے تو میں نے اپنے لیے مدنی نسبت اختیار کر لی۔

والدگرامی ۱۹۵۹ء تک فکری طور پر میری ایک اخلاص بھری آزادانہ تربیت کرتے رہے۔ مثال کے طور پر ان کی جو روش خصوصاً مجھ پر بہت اَثر کرتی وہ یہ تھی کہ اپنے دھڑے کی ناجائز حمایت نہیں کرتے تھے، ہر ایک مسئلہ خواہ وہ تنظیمی ہو یا فکری، وہ اس میں ایک نپی تلی رائے رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے خاندان کے ساتھ آنکھیں بند کر کے نہیں چلسکتا۔ جہاں حق ہوتا ہے وہاں اس کے ساتھ ہو جاتا ہوں۔

والدگرامی کی رحلت کے بعد ہمارے گھریلو سرپرست بڑے بہنوئی حافظ اِسماعیل روپڑی بنے تو میں نے دیکھا کہ اُن کے اَندر بے مثل خطابت کے ساتھ ساتھ رَواداری اور اِیثار بہت زیادہ تھا۔ ہمارے خاندان کا جو روپڑی اور ثنائی اختلاف تھا اس کے اَندر بھی وہ مولانا ثناء اللہ اَمرتسری کے اخلاقیات کے بڑے مداح تھے۔ مولانا ثناء اللہ اَمرتسری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی حافظ اِسماعیل روپڑی کے بارے میں اَکثر یہ تذکرہ کرتے تھے کہ جب اسماعیل اُدھر ہوتا ہے تو اپنے چچا کے ساتھ، اور جب یہاں ہوتا ہے تو میرے ساتھ۔ حافظ اسماعیل روپڑی میں اِیثار اتنا زیادہ تھا کہ وہ کسی کو محسوس کرائے بغیر لگاتار (ایک عرصہ تک) ایثار کرتے چلے جاتے تھے جبکہ اسے پتہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ صرف ایثار ہو رہا ہے۔ میں اکثر کھانا اُن کے ساتھ کھاتا تھا۔ جب بھی اُن کے ساتھ کھانا کھاتا تو گوشت کے ٹکڑے میرے آگے کر دیتے تو میں سمجھتا کہ وہ خود گوشت نہیں کھاتے اس لیے گوشت کو میرے آگے کر دیتے ہیں۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ وہ گوشت کھا رہے ہیں تو میں بڑا حیران ہوا۔ حالانکہ یہ ان کا اِیثار تھا کہ ایک عرصہ تک مجھے اُن کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے محسوس بھی نہ ہوا کہ وہ مسلسل ایثار کرتے ہیں۔

بہرصورت اپنے ماحول کی یہ چیزیں اِنسان کو غیر شعوری طور پر تربیت دیتی ہیں۔ جب میں نے رَواداری کے یہ اَنداز دیکھے تو میرا مناظرانہ اَنداز تحقیق روادارانہ افہام وتفہیم میں بدل گیا، اس طرح اس اخلاص کی تربیت ہوتی رہی جو والدگرامی سے مجھے ورثے میں ملا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے موقع دیا تھا کہ میں نے دنیاوی علوم بھی باقاعدہ سکول اور کالج میں داخل ہو کر پڑھے تھے۔ میں عصری علوم سے ریاضی اور سائنس میں بہت تیز تھا۔ اِمتحان میں میرے تقریباً

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۰۰ فیصد نمبر آیا کرتے تھے۔ الحمدللہ میں نے سکول وکالج کا بھی ماحول دیکھا، دینی ماحول بھی دیکھا، اس کے علاوہ ناظم مدرسہ ہوتے ہوئے جامعہ اہل حدیث میں آزادانہ تدریس کا موقع ملا، بعدازاں مجھے مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا۔ اس کی فضا بالکل اور تھی کیونکہ وہاں بین الاقوامی ماحول تھا، جو برصغیر کی صورت حال سے یکسر مختلف ہے ۔ پاکستان کی فضا تو یہ ہے کہ عوام جو بھی سوچتے ہیں، علماء ان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پاکستان کے عوام جن بڑے بڑے مذہبی، معاشرتی اور سیاسی مسائل میں اُلجھے ہوئے ہیں، علماء ان کی راہنمائی کرنے کی بجائے ان کے ساتھ ہی الجھاؤ میں پڑ جاتے ہیں۔ نیز اپنی رفاہی اور اصلاحی کوششیں بہت کم بروئے کار لاتے ہیں جبکہ سعودی عرب کے اَندر رُجحان یہ نہیں ہے۔ وہاں علماء کی تحقیق وبصیرت اصل ہوتی ہے عوام اُن کی راہنمائی پر اعتماد کرتے ہوئے ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ معاشرے کی تعمیر میں ان کے علماء کا بڑا کردار ہے، ایسی علمی فضاء میں تحقیق کا ذوق زیادہ پروان چڑھتا ہے۔

مدینہ یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ میں فقہ مقارن کے مضمون کے لیے 'بدایۃ المجتھد' داخل نصاب ہے۔ اس کا انداز مجھے بڑا پسند آیا، کیونکہ فقہی مذاہب کے بجائے اول تو علماء کی اجتہادی آراء ذکر ہوتی ہیں پھر ابن رشدؒ ان کے بنیادی اختلافات کا سبب ذکر کرتے ہیں جس کی تفصیل میں جاتے ہوئے وہ کتاب وسنت اور اسلوب استدلال کی بحث کرتے ہیں۔ اس طرح آئمہ فقہاء کی حکمتوں کا تجزیہ بھی کرتے ہیں۔ اختصار کے سبب مذکورہ فقہ مقارن کی کتاب مشکل سمجھی جاتی ہے لہٰذا میں اپنی کلاس میں 'بدایۃ المجتھد' پڑھنے کے بعد مغرب سے پہلے مسجد نبوی میں اپنے ان ساتھیوں کو دوبارہ پڑھایا کرتا تھا جو کمزور تھے۔

'بدایۃ المجتھد' پڑھانے والے دو اُستاد خاص طور پر مجھے بہت پسند آئے۔ ایک تو مدینہ منورہ کے مشہور قاضی شیخ عطیہ سالم اور دوسرے شیخ محمد اَمان اثیوبی (جو اصلاً حبشہ کے رہنے والے تھے) شیخ محمد امان اثیوبیؒ شیخ ابن بازؒ کے شاگرد خاص تھے جو بعدازاں جامعہ اسلامیہ کے کلیۃ الحدیث کے ڈین اور اس کے علمی مجلّے کے اَیڈیٹر بھی رہے ہیں۔ یہ دونوں استاد جس اَنداز سے ہمیں فقہ پڑھاتے تھے وہ نیل الأوطار، فتح الباری اور مُغنی ابن قدامۃ وغیرہ فقہ مقارن کی کتابوں کا خلاصہ ہوتا۔ جبکہ اختلافی مسائل پر وہ کتاب وسنت سے آزادانہ دلائل مہیا کرتے۔ اگرچہ قاضی عطیہ سالمؒ شافعی ہونے کے باوجود امام مالکؒ سے زیادہ متاثر تھے تاہم شیخ ابن بازؒ کی سرپرستی (وائس چانسلر) ہونے کی وجہ سے ان پر بے باک ترجیح کا انداز غالب تھا۔ یہ اَنداز تحقیق مختلف فقہوں سے وابستہ طلبہ اور علماء میں بہت پسند کیا جاتا، گویا مدینہ منورہ میں شیخ ابن بازؒ اور ان کے تربیت یافتہ استاد ہماری شخصیت کی تعمیر کرتے رہے۔

میں مدینہ منورہ جانے سے پہلے کئی سال تدریس کر چکا تھا اس لیے میری کافی علمی پختگی ہو چکی تھی لہٰذا میں نصابی کتابوں پر کم توجہ دیتا اور اسلامی تحریکوں کا زیادہ مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ جن میں اِخوانی، سلفی تحریک اور تبلیغی جماعت قابل ذکر ہیں، اس طرح جزوی مسائل میں تحقیق کی بنیاد پر فرقہ وارانہ رجحان کی شدت میں کمی واقع ہوئی تو اجتماعی مسائل میں مذکورہ بالا تحریکوں کا آزادنہ جائزہ لینے کا بھی موقع ملا۔ مجھے اِخوانی اور سلفی تحریک کی تقابلی کتب کے مطالعہ کا بھی موقع ملا، کیونکہ ان کے بارے میں جامعات کی لائبریریوں اور مارکیٹ میں وافر لٹریچر موجود تھا۔ البتہ تبلیغی جماعت کا گہرائی تک مطالعہ کرنے کے لیے مواد موجود نہ تھا۔ ان کا ایک باضابطہ حلقہ مسجد نبوی ﷺ میں ہوتا تھا جبکہ اُن کا مدینہ منورہ میں مرکز 'مسجد نور' تھا۔ میں تبلیغی حضرات سے اپنے مطالعہ کے لیے تعارفی کتابیں مانگتا تو وہ جواب دیتے کہ 'یہ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام دیکھ کر چلنے کا نہیں، چل کر دیکھنے کا ہے۔' ان کے اس اصولی رویے کی پہلے مجھے سمجھ نہیں آتی تھی حتیٰ کہ تبلیغی میرے اصرار کی وجہ سے مجھے مکہ مکرمہ میں اپنے بڑے راہنما حضرت مولانا سعید احمد صاحب کے پاس لے گئے جنہوں نے مجھے سمجھانے کی بجائے تبلیغی جماعت کے ساتھ چل کر ہی دیکھنے پر زور دیا۔ اس طرح مدینہ منورہ میں میری الجھن دور نہ ہوسکی۔ پاکستان واپس آجانے کے بعد میں نے مجبوراً ایک عرصہ ان کے ساتھ چل کر بھی دیکھا۔

۱۹۷۰ء کے پاکستانی انتخابات میں اسلام اور سوشلزم کی کشمکش اور پھر شیخ مجیب الرحمٰن کی انقلابی تحریک کے بعد بنگلہ دیش کے الگ ہوجانے کی وجہ سے سیاسی حلقوں میں خاصی مایوسی تھی چنانچہ میں نے اس خاموشی میں تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگا کر ان کو سمجھنے کی بھرپور کوشش کی، جس سے ان کے معاشرے سے خروج (علیحدگی) کی محنت کے علاوہ ان کے فقہی جمود اور اپنے اکابر کی اندھی تقلید پر بڑا دکھ ہوتا۔ میں نے تبلیغی حلقوں میں سائنس کے طلبہ بالخصوص میڈیکل اور انجنیئرنگ والوں کو سرگرداں پایا تو پیش کش کی کہ قرآنی فہم بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور تبلیغی نصاب کے ساتھ حدیث کا بھی مطالعہ کریں جس طرح تبلیغی جماعت سے منسلک عام عرب 'تبلیغی نصاب' کی بجائے قرآن اور ریاض الصالحین کا درس دیتے ہیں۔ جب میں نے زیادہ زور دینا شروع کیا تو انہوں نے اپنے اکابرین کی اس خصوصی ہدایت کا عذر پیش کرنا شروع کر دیا کہ ہمیں حدیث وسنت کے مطالعہ کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے اکابر دین وشریعت براہ راست روضہ رسول ﷺ سے حاصل کرتے ہیں اس غلط عقیدہ اور تقلید جامد سے میں مایوس ہوا۔ اس طرح تبلیغی حلقوں میں خاطر خواہ کام نہ کرسکا۔

چونکہ میرے خاندان کا مزاج سلفی تھا اور مدینہ یونیورسٹی میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی سرپرستی کی وجہ سے فقہ مقارن کا ذوق بن چکا تھا۔ شیخ ابن بازؒ خود کو 'حنبلی' کہلوانے کی بجائے 'اثری' لکھتے تھے بلکہ خلیجی ممالک میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کی وجہ سے عقیدہ میں سلفی ہونے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے خواہ کوئی فقہ میں آئمہ اربعہ کی طرف منسوب ہو یا ظاہری اور جعفری فقہ کی طرف۔ البتہ عقیدہ میں خیر القرون کے منہج کو اعتدال کی راہ سمجھا جاتا تھا۔

مشہور مقولہ ہے 'الولد سر لأبیه' (اولاد باپ کی صلاحیتوں اور بھیدوں کی حامل ہوتی ہے) میں بھی اپنے والد گرامی شیخ التفسیر حافظ محمد حسینؒ کے ذوق سے متاثر ہوکر اجتہاد واستنباط کا شوقین بنا۔ چنانچہ اصول فقہ کا گہرا تقابلی مطالعہ میرا پسندیدہ مشغلہ رہا۔ جب صحیح بخاری کی تدریس کا مجھے موقع ملا تو اس کا آخری حصہ بالخصوص 'الاعتصام بالکتاب والسنة' اور 'کتاب التوحید' بڑی محنت سے پڑھایا کرتا۔ اصول الشریعہ میں مجھے 'الموافقات للشاطبی' بہت پسند ہے۔ کیونکہ وہ اصول فقہ، مقاصد شریعہ اور قواعد فقہیہ کی نہ صرف جامع ہے بلکہ ان کی گہری توجیہات پر مشتمل ہے۔

امام بخاری نے کتاب وسنت سے تمسک کرتے ہوئے جس طرح فقہ وعقیدہ میں اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہوئے استدلال کی وسعتوں کا احاطہ کیا ہے وہ اجتہادی بصیرت کا ایک وسیع باب ہے۔ میں بھی اجتہاد واستدلال کی اساس اور جامع خلاصہ سمجھتا ہوں۔ عقیدہ میں اس اسلوب کو سلامتی کا ضامن اور اعتدال کا رویہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

اسی فکر ومنہاج کا حامل ہوتے ہوئے جب مجھے دینی حلقوں کے متروکہ میدانوں معیشت ومعاشرت اور سیاست وقانون میں کام کرنے کی اہمیت کا احساس ہوا تو میں نے اسلام کا نمائندہ بننے میں ہی عافیت سمجھی۔ اگرچہ میرے اردگرد میرے سسرال سمیت جماعت اسلامی کے حلقے اور اہل حدیث حضرات مجھے کھینچتے رہے لیکن میں نے یہ تہیہ کرلیا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ نہ تو جماعت اسلامی کی طرح عملی سیاست کو اپنا مطمح نظر بناؤں گا اور نہ ہی بعض اہل حدیث کے مناظرانہ مزاج کی وجہ سے دینی فرقہ وارانہ جھمیلوں میں پڑوں گا۔ البتہ تحقیق وصحافت کے میدان میں تمام دینی حلقوں کو ہماری طرف سے پوری سپورٹ حاصل ہوتی رہتی ہے۔ میرے زیر اہتمام جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) کا ترجمان 'رشد' ہو یا مجلس تحقیق اسلامی کا آرگن ماہنامہ 'محدث' لاہور، اسی فکر ومنہاج کے حامل ہیں۔ 'محدث' کی پیشانی پر تقریباً چالیس سال سے یہی لکھا جارہا ہے: ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ، جبکہ اس کے آخری صفحہ پر تمام گوشہ ہائے حیات میں اس کے فکر وعمل کے خدوخال نمایاں چھاپے جاتے ہیں۔

انسان کو اپنی زندگی میں اعتدال کی پوری کوششوں کے باوجود موافقتوں اور مخالفتوں کا سامنا ضرور ہوتا ہے جس کا رد عمل فطری ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر میں برطانوی سامراج کی سازشوں کے طفیل اہل سنت میں جو بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کے نام سے فرقہ بندی میں اضافہ ہوا، میں اسے وحدت امت کے خلاف کاری ضرب سمجھتا ہوں مجھے اپنے اعزہ واحباب کی فرقہ وارانہ وابستگیوں سے چڑ سی ہوگئی ہے۔ میں انہیں اسلام کا نمائندہ بنانا چاہتا ہوں۔ اپنی اولاد کے لیے بھی اپنے مشہور علمی خاندان کی 'روپڑی' نسبت پر 'مدنی' کو ترجیح دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان وعمل کی پختگی عطاء کر کے 'مدینہ والے' سے وابستہ کر دے۔

ابھی تک میں نے اپنے مشن کا مثبت ذکر کیا ہے لیکن جب تک کچھ منفی رویے بھی سامنے نہ رکھے جائیں، مشن کا نکھار نہیں ہوتا۔ چونکہ میرے سامنے وہ اہل حدیث علماء بھی ہیں جو تقلید کے رد میں اتنی دور چلے گئے کہ انہوں نے حافظ ابن حزمؒ کی ظاہریت اختیار کر لی۔ اسی طرح جامد مقلدین نے فقہ حنفی میں لچک پیدا کرنے کے لیے حیلوں کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ (کراچی والے) کہا کرتے تھے کہ تقلید کا مسئلہ شرعی نہیں، مصلحت کا ہے۔

آج کل دنیا Global Village کی صورت اختیار کر کے پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا کے رحم وکرم پر ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو گروہی چشمک چھوڑ کر 'سیکولرازم کے عفریت' کو سامنے رکھنا چاہئے۔ سیکولرازم ہمیں عقیدہ، عبادات اور خاندانی رسوم ورواج میں آزادی کے دھوکے میں ڈال کر لادین اجتماعیت کے سپرد کرتا ہے، جبکہ اسلام نہ صرف خاص عقیدہ وتہذیب کا نام ہے بلکہ پورے اجتماعیات میں اس کی معاشی، سیاسی اور معاشرتی راہنمائی انسانی بھلائی اور امن وترقی کی ضامن ہے۔ کاش کہ ہم اس عفریت کو دیکھ سکیں جو حملہ کرتے وقت شیعہ دیکھتا ہے اور نہ سنی!

اسلامی دنیا کا سیاسی نوآبادی کا دور تو گیا، اب اقتصادی نوآبادی کا چلن ہے۔ اس لیے عالمی قوتوں نے سیکولرازم کا دم بھرنے کے باوجود دیگر تمام تہذیبوں کو ملیا میٹ کرنے کا عزم کر رکھا ہے حالانکہ سیکولرازم تہذیبی اقدار اور خاندانی رواج میں مداخلت نہ کرنے کے جھوٹے وعدے دیتا نہیں تھکتا۔ سیکولرازم کا تصور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ وہ Private Sector میں دخل اندازی نہیں کرتا جب کہ اسے صرف اجتماعیت کے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی میدانوں سے غرض ہے جنہیں وہ لادین Public sector کے تابع لانا چاہتا ہے۔

اس وقت عالمی استعمار سموئیل پی ہنٹنگٹن جیسے مفکرین کے ذریعے Clash of Civilization یعنی تمدن (مادی ارتقاء) سے پسماندہ تمدن (رجعت پسندی) کا تصادم بتاتے ہوئے یہ دعوت دے رہا ہے کہ مسلمان اپنی اسلامی تہذیبی اقدار کو چھوڑ کر مغرب کی عالمی (بے خدا مادی) تہذیب میں مدغم ہو جائیں، یہی ان کی انسانی ترقی کا راز ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت سے نام نہاد مسلم دانش ور تہذیب (Culture) جسے عربی زبان میں 'ثقافت' کہتے ہیں اور تمدن (Civilization) جسے عربی زبان میں 'حضارۃ' کہتے ہیں، کا فرق نہ کرنے کی وجہ سے اسلام کی تہذیبی اقدار (حجاب وحیاء وغیرہ) کے بھی مخالف ہیں تاکہ سیکولرازم کو Private Sector کے سماجی ادارہ (خاندان) میں دخل اندازی کا حق دے سکیں۔ یہی لادینیت اسلامی معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہی ہے۔

خود کو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

فکر وعمل کے میدان میں میری توجہ اگرچہ خاندان اور اسلامی معاشرہ کے تحفظ کی طرف زیادہ ہے، اسی طرح میں معیشت ومعاشرت اور سیاست وقانون کو مجلس کی تحقیقات کا محور بنائے ہوئے ہوں۔ کیونکہ ہمارے پیش رو اہل علم وفقہ نے ہمارے عقائد، عبادات اور داخلی عائلی امور میں بہت عمدہ اور تفصیلی تحقیقات پیش کر رکھی ہیں جن پر مشتمل ہمارے فقہی ورثہ میں بیش بہا لٹریچر موجود ہے چنانچہ اسلام کے داخلی نظام Private Sector سے متعلق جزوی مسائل کو سمجھنے کے لیے کسی بھی انصاف پسند کے لیے کتاب وسنت پر ان ائمہ کی آراء کو پیش کر کے راجح شرعی مؤقف کی تحقیق آسان ہے۔ جبکہ دور حاضر کا بڑا میدان اجتماعیات کا ہے جس میں معاشرت ومعیشت کے علاوہ سیاست وقانون کا (Public sector) ہم پر چھایا ہوا ہے جو ہمیں تمدنی ارتقاء کی مخالفت کا طعنہ دے کر ہماری دائمی اور عالمگیر شریعت کو بدل دینا ہی ترقی کا زینہ قرار دیتا ہے لیکن شریعت محمدیہ میں ہم (نئی نبوت کی طرح) کسی تغیر وتبدل کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم تو اپنی تشنگی کا مداواہ بمصداق ع شراب کہنہ در جام نو! کافی سمجھتے ہیں۔

ہماری الہامی وحی 'قرآن وحدیث' اور ہر زمانہ اور حالات میں پیش آنے والے مسائل پر ہمارے اجل علمائے امت کے اجتہادات بھی کتابی صورت میں تدوین ہوتے رہے ہیں۔ البتہ سیکولر پبلک سیکٹر کے تحت ہمارے جو سیاسی، معاشی اور انتظامی ادارے تشکیل پاتے رہتے ہیں، وہ وحی الٰہی کی روشنی سے محروم ہیں۔انہیں شریعت کی راہنمائی میں ازسرنو تشکیل دینے کی ضرورت ہے لیکن شریعت محمدیہ سے نابلد ہمارے کئی دانشور سیاسی، معاشی اور قانونی اداروں کو اسلام کے مطابق تشکیل دینے کی بجائے شریعت کی تعبیر نو کے نام سے ان کی ہو بہو مغرب کی طرح تشکیل نو کرنا چاہتے ہیں جو بہت بڑا دھوکہ ہے۔

اسلام بھی اداروں کے لیے قواعد وضوابط کی پابندی پر زور دیتا ہے اور یہ قواعد وضوابط اجتماعی مشاورت سے بنائے جانے میں بھی شریعت کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرتی لیکن ان کے اندر شرعی اصولوں کی کارفرمائی لازماً ہونی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب اپنے ہاں ایسے اداروں اور ان کی ضابطہ بندی کو ''قانون'' کی بجائے 'نظام' کا نام دیتا ہے۔

یہ قواعد وضوابط جنہیں شریعت کی روشنی میں Bye-Laws بھی کہا جاسکتا ہے اگر قانون وسزا کے منفی پہلو کو نظر انداز کر کے انہیں عبوری طور پر قانون کے نام سے اختیار کر لیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن اس پر شریعت کو سپریم لاء قرار دینا ضروری ہے جس طرح کہ سعودی عرب کے دستور کی درج ذیل دفعات کے الفاظ یوں ہیں:

دستور کا باب اوّل: (دفعہ ۱) مملکت عربیہ سعودیہ...... کا دین اسلام ہے اور اُس کا دستور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے...... اور یہی دونوں دستوری نظام اور مملکت کے تمام نظاموں پر حاکم (حاوی) ہے۔

(دفعہ ۷) سعودی عرب میں سلطۃ کا منبع کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے اور یہی دونوں مملکت کے دستوری

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظام اور دیگر تمام نظاموں پر حاکم (حاوی) ہیں۔

(دفعہ:۴۶) عدلیہ مستقل اختیارات رکھتی ہے اور اُس کے ججوں کے فیصلوں پر شریعت اسلامیہ کے سلطۃ کے علاوہ کسی اور کا اختیار نہیں ہے۔ (شاہی فرمان نمبرا/۹۰ بتاریخ: ۲۷/۸/۱۴۱۲ھ بمطابق یکم مارچ ۱۹۹۲ء)

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شریعت (کتاب وسنت) کی بالا دستی قائم رکھتے ہوئے ضابطہ بندی ہو یا قانون سازی یہ ہمارے جدید معاشروں کی تمدنی ضرورت ہے۔ اس حد تک نظام تشکیل دیا جائے یا بالفاظ دیگر پارلیمنٹ کے ذریعے قانون سازی کی جائے اس کا نہ صرف کوئی حرج نہیں بلکہ شریعت محمدیہ کی تطبیق واطلاق میں ابتدائی طور پر ایسی ضابطہ بندی سے بہت فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے جبکہ اصل پابندی کتاب وسنت کی ہو نہ کہ ضابطہ بندی کی۔ شرق اوسط کے بہت سے ملکوں مصر وسوڈان سمیت، نے ایسے بیش قیمت مسوّدے ضابطوں کی صورت میں چھاپ کر نشر بھی کیے ہیں کہ عالم اسلام کی شریعت محمدیہ سے ناواقف بیوروکریسی اور عدلیہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ یہ قانون سازی ہماری خالصتاً تمدنی ضرورت ہے۔ تاہم معیشت ومعاشرت اور سیاست وحکومت کے جدید اداروں کو شریعت کے ان اصول وقواعد پر منضبط کرنے کیلئے شریعت کے ماہرین اور سوشل سائنسز کے ماہرین کو مل بیٹھ کر اجتماعی تحقیقی کام کرنا چاہیے، جسے آج کل 'اجتماعی اجتہاد' کا نام دیا جاتا رہا ہے۔ علمی طور پر کیا یہ اجتماعی اجتہاد ہے یا نہیں؟ سے قطع نظر شرعی اصولوں پر دور حاضر کے متمدن ظروف واحوال میں اداروں کی کیا صورت گری ہوتی ہے وہ جدید دور کا اہم چیلنج ہے۔

یہاں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ دین وشریعت کی اساس وحی الٰہی پر شعوری ایمان ہے جو سیکولرازم کی لذت پرستی کا دفاع کر سکے۔ اگر دین وایمان کی دستوری اساس کے بغیر ہم نے مغرب کے سیکولر نظام کو ہی بنیاد بنا کر متمدن (ترقی یافتہ) بننے کی کوشش کی تو ہمیں شریعت کے روحانی اصول وقواعد سے یا تو ہاتھ دھونے پڑیں گے یا بہت سی نادان ترمیمات کرنی پڑیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے نقشہ پر پہلی اسلامی مملکت 'پاکستان' کے دستور میں جنرل ضیاء الحقؒ کی طرف سے نفاذ شریعت کی کوششوں میں قرار دادِ مقاصد کو بالا دستی دینے کے باوجود Anglo Saxon law کی مجبوریوں نے ابھی تک شریعت محمدیہ کو معطل کر رکھا ہے، جس میں موجودہ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کا شریعت بینچ بھی کوئی مثبت پیش رفت نہیں کرا سکا۔ اور آئندہ کے لیے ایسے procedure سے کوئی اچھی امید بھی نہیں ہے۔

س: تبلیغی جماعت کے نعرے ''چل کر دیکھئے'' پر عمل سے، آپ کو کوئی فائدہ ہوا؟

ج: میں نے تبلیغی جماعت کے ساتھ واقعی چل کر دیکھا ہے۔ مجھے اِس سے یہ اندازہ ہوا کہ تبلیغی جماعت کا جو مسجد تک بلانے کا پروگرام ہے وہ اہم ہے۔ مسجد کے بعد جب معاشرے سے نکلنے (خروج) کا میدان آتا ہے تو وہاں دعوتی طریقِ کار میں افراط وتفریط کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ اسلام میں مسجد کی طرف دعوت بڑی اہم ہے اس کے لیے جو بھی طریق کار اپنایا جائے وہ مفید ہے۔ تبلیغی حلقوں میں دین داری کا اہتمام اور مسجد کے ساتھ وابستگی دو چیزیں ایسی ہیں کہ واقعی بڑی موثر ہیں۔ باقی معاشرے سے کٹنے کے طریق کار میں افراط وتفریط کے تفصیلی تجزیہ کا یہ موقع نہیں ہے۔

س: مجلس تحقیق الاسلامی کے پس منظر کے بارے میں کچھ بتائیے؟

ج: مدینہ منورہ سے جب ہم کچھ لوگ وطن واپس آئے تو ان میں ہم تین ساتھی خاص طور پر بڑے گہرے دوست تھے حافظ ثناء اللہ مدنی، مولانا عبدالسلام کیلانی اور میں، ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اپنی مادر علمی کو مثالی درسگاہ بنائیں۔ جس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ ساتھ ایسا تحقیقی مرکز بھی ہو جو الاعتصام بالکتاب والسنۃ کے اصول پر (وحی کی روشنی میں) آزادانہ تحقیق کرے۔اس تحقیقی آزادی اور تدریس کے لیے مثالی درسگاہ بنانے کیلئے ہم مدینہ منورہ میں ہی سوچ وبچار کیا کرتے تھے۔ ہم نے تعلیمی اصلاح کیلئے یہ پروگرام بنایا کہ ثانوی درجہ کی درس گاہ، جو پہلے سے موجود تھی، اس پر تجربہ کریں، اس کا پس منظر یہ ہے کہ والد صاحب کی ایک فیکٹری 'رحمانیہ ٹیکسٹائل ملز' کے نام سے تھی، اتفاق سے وہ فیکٹری جل کر ختم ہوگئی اور اس کی نئی تعمیر شدہ جگہ ہمارے پاس موجود تھی تو ہم نے 'رحمانیہ' ہی کے نام سے وہاں درس گاہ قائم کرلی لیکن جہاں تک ادارہ تحقیق کا معاملہ تھا تو اس سلسلہ میں کافی غوروفکر کیا گیا تو ہمارے سامنے ایک اہم سوال یہ تھا کہ تحقیق میں عام طور شخصیت پرستی کی صورت حال پیدا ہوجاتی ہے جو بہت نقصان دہ چیز ہے۔لہٰذا تحقیق کے اندر شخصیت پرستی کا عنصر ختم کرنے کیلئے ہم نے 'مجلس' کا لفظ اختیار کیا، کہ اہم مسائل پر تحقیق کیلئے ہماری اجتماعی علمی تحقیقات ہوا کریں گی، اس طرح معروف سکالرز کو دعوت دے کر ہم اجتماعی طور پر تحقیق کونکھارا کرتے اس طرح ہماری تحقیقی مجلس کا طریق کار وضع ہوا۔

جب ۱۹۷۰ء میں ہم نے مجلس تحقیق اسلامی کے نام سے کام شروع کیا تو علمی اور اصلاحی مجلّہ ماہنامہ محدث کے علاوہ مجلس کا تحقیقی کام کوئی زیادہ تیز رفتار نہیں تھا، ہم بھی زیادہ پختہ کار نہیں تھے لیکن لاہور کی اہم علمی شخصیتوں اور دانشوروں کے ساتھ مجلسوں کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ تحقیقی اِدارہ کس اَنداز اور ڈھب سے سیٹ کیا جائے، آہستہ آہستہ طریق کار واضح ہوتا گیا۔''بحث'' کی بجائے ''تحقیق'' کا لفظ شامل کرتے وقت مجھے یہ بھی اِحساس تھا کہ عربی زبان میں 'تحقیق' کے معنی 'عملی جامہ پہنانے کے' ہوتے ہیں۔ جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے: 'أرجو أن تحقّق أملي' (مجھے اُمید ہے کہ آپ میری آرزو پوری کریں گے) میں اکثر سوچا کرتا کہ ہم اجتماعی تحقیق کے ساتھ اپنے تمام منصوبوں کو بھی عملی جامہ پہنائیں گے۔ان شاء اللہ

عملی طور پر بھی اس مجلس کی نگرانی میں زیادہ تر کام متنوع تدریسی، تحقیقی اور رفاہی اداروں کی تشکیل کا ہوتا رہا ہے۔ اور یہ تمام ادارے مجلس کی اجتماعی مشاورت کے نتیجے میں تشکیل پانے والے فکر وعمل کے تحت وجود میں آتے رہے۔

س: مجلس کی ابتدا کا بنیادی فکر اور مشن تو آپ نے واضح فرما دیا۔ ہم اس کی ابتدائی تاریخ بھی جاننا چاہتے ہیں۔

ج: مجلس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ہمارے ساتھی حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ کی پہلی رفیقہ حیات ۱۹۷۰ء میں اس جہان فانی سے کوچ کرگئیں۔ (إنا للہ وإنا إلیه راجعون) میں اور مولانا عبدالسلام کیلانی چند دیگر مخلص احباب کے ساتھ سرہالی کلاں ضلع قصور میں تعزیت کیلئے اکٹھے تھے کہ اسی دوران مدینہ منورہ میں قیام کے دوران مستقبل کیلئے اجتماعی مشاورتوں کا ذکر چل پڑا کہ ان کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کچھ کیا جائے۔ وہاں یہ طے پایا کہ مدرسہ رحمانیہ گارڈن ٹاؤن لاہور کے ساتھ اَیسا تحقیقی اِدارہ بھی بنایا جائے جس میں کتاب وسنت کی روشنی میں آزادانہ تحقیق کی جائے۔۔الحمد للہ لائبریری تو ہمارے پاس کافی حد تک پہلے ہی موجود تھی۔ابھی مجلس التحقیق الاسلامی کی ماڈل ٹاؤن والی موجودہ وقف عمارت تو تیار نہ ہوئی تھی البتہ ہماری فیکٹری جس کی دوبارہ تعمیر کے وقت وہاں ایک تعلیمی ادارہ بھی والدگرامی نے قائم کردیا تھا جو اب مدرسہ رحمانیہ کے نام سے رجسٹرڈ بھی ہو چکا تھا وہیں یہ تحقیقی کام اور علمی آرگن محدث کا دفتر قائم کیا گیا۔ ہماری تحویل میں ۱۹۴۸ء سے ۱۹۸۰ء تک یہاں قذافی سٹیڈیم کے بالمقابل نئے بننے والے ابوظہبی سنٹر کے رقبہ میں شامل، بارہ کنال جگہ موجود رہی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

س: آپ کے ساتھ اور کون کون لوگ شریک ہوئے ؟

ج: ہمارے ساتھ بہت سے علمی اور تربیتی مزاج رکھنے والے مخلص علماء اور اساتذہ اپنی سرکاری ملازمتیں چھوڑ کر شریک ہوتے رہے کیونکہ ہم نے ابتداء میں ثانوی درجے تک سکول کی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کا اہتمام کر رکھا تھا اس کتاب وسنت اور عصری علوم کے امتزاج پر مشتمل نصاب کی تدریس میں ایسے ہی حضرات شامل تھے جو اپنے تخصصات کے ساتھ بھرپور دینی مزاج رکھتے تھے جن میں پروفیسر ڈاکٹر مزمل احسن شیخ ،مولانا عبدالرحمٰن بنگالی اور ماسٹر حبیب الرحمٰن اوکاڑوی پیش پیش تھے جبکہ علماء میں بنیادی کردار شیخ ابن بازؒ اور محدث روپڑیؒ کے تلامذہ کا رہا جن میں ہم تین ساتھیوں کے علاوہ مولانا محمد بشیر گوہڑوی قابل ذکر ہیں۔

س: اِس دور میں آپ کے پاس اپنی اجتماعی تحقیقات کے اِظہار کا ذریعہ کیا تھا؟

ج: میں بتا چکا ہوں کہ ہم نے ۱۹۷۰ء میں ہی ایک ماہوار تحقیقی اور علمی مجلّہ محدث شروع کر دیا تھا جس میں اجتماعی فتویٰ کے علاوہ تحقیقی مقالے بھی شائع کیے جاتے۔مزید براں ہماری کوشش ہوتی کہ ہر بات حوالہ کیساتھ درج کی جائے۔محدث نام کا تقاضا بھی یہی تھا۔ہم نے الحمدللہ اب تک اس بات کا التزام کیا ہے کہ محدث میں بقیہ بر صفحہ فلاں کا انداز اختیار نہ کیا جائے۔اسی طرح حتی المقدور (ماسوا نادر مضمون کے) کوئی مطبوعہ مواد نشر نہ کیا جائے۔

س: آپ کے بنیادی مقاصد کس حد تک پورے ہوئے؟

ج: ہم نے جو پروگرام تشکیل دیئے، ان میں ہمارا ساتھ زیادہ تر وہی لوگ دے سکتے تھے جو پاکستانی مدارس میں دینی علوم سے فراغت کے بعد سعودی یونیورسٹیوں میں بھی زیر تعلیم رہے جبکہ پاکستان میں ان کا معاشی مستقبل روشن نہ تھا لہٰذا سعودی یونیورسٹیوں سے ڈگری حاصل کرنے والوں کا زیادہ رجحان یہ تھا کہ سعودی دارالافتاء کے ملازم کی حیثیت سے دوسرے ملکوں یورپ، امریکہ اور اَفریقہ وغیرہ میں جا کر کام کریں یہ تمام مبعوثین شیخ ابن بازؒ کی طرف سے اپنے وطن کے سوا دیگر ملکوں میں مقرر کیے جاتے تھے۔اس طرح دارالافتاء نے برصغیر پاک و ہند سے فارغ ہونے والے علماء کی ایک بڑی تعداد دنیا بھر میں بھیج دی۔لیکن ہم تین ساتھیوں نے وطن واپس آ کر اپنے مشن کا کام آگے بڑھانے کا عزم کر رکھا تھا، اس لیے ابتداء میں ہم کوئی تعاقد کیے بغیر واپس آ گئے۔بعد میں معاشی ضرورتوں کے پیش نظر حافظ ثناء اللہ مدنی اور مولانا عبدالسلام کیلانی تو دارالافتاء سے منسلک ہو گئے۔لیکن ۱۹۷۸ء میں پاکستان کا دورہ کرنے والے دارالافتاء کے شعبہ غیر عربی ممالک کے ڈائریکٹر جنرل شیخ محمد بن قعودؒ اور شیخ ابن بازؒ کے سیکرٹری جنرل شیخ عبدالعزیز ناصر بن باز وغیرہ کی دعوت کے باوجود میں نے آزادانہ کام کرنے کو ترجیح دی۔پاکستان میں ۱۹۷۰ء سے ہی سوشلزم اور اِسلام کی چپقلش چل رہی تھی۔کیونکہ ''شوکت اِسلام'' کا جلوس بھی ۱۹۷۰ء میں ہی نکلا تھا اور اسی سال دسمبر ۱۹۷۰ء میں مغربی اور مشرقی پاکستان کے عوامی انتخابات ہوئے جن میں مشرقی پاکستان کے اَندر مجیب الرحمٰن اور مغربی پاکستان کے اَندر ذوالفقار علی بھٹو کو اکثریت حاصل ہوئی۔اتفاق یہ ہے کہ دسمبر ۱۹۷۰ء میں انتخابات ہوئے اور ماہوار 'محدث' کا پہلا شمارہ بھی دسمبر ۱۹۷۰ء کا ہے۔ بنگلہ دیش کے الگ ہوجانے کی وجہ سے نیا پاکستان اور اسکے دستور وقانون کی تشکیل کا موقع تھا۔سیاسی فضاء غبار آلود اور تناؤ کا شکار تھی۔حکومتی حلقوں میں بھی کافی نشیب وفراز تھا، کیونکہ ذوالفقار علی بھٹو ایک سول مارشل لاء کے سربراہ کی حیثیت سے برسر اقتدار آئے تھے۔پیپلز پارٹی نے اسلامی سوشلزم کے نام پر روٹی، کپڑے اور مکان کا نعرہ لگا

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرا اپنے مخالفین کو دبا رکھا تھا جس میں نفاذ اسلام کیلئے بھی حالات سازگار نہ تھے گویا کافی حد تک نفاذ شریعت کو 'ریورس گیئر' لگا ہوا تھا، اس دور میں کافی عرصہ بڑے بڑے سیاستدان بھی عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اس وقت پاکستان کے بہت سے بہی خواہ سیاست وقانون کے میدان میں فکری طور پر انفرادی یا اجتماعی تحقیقات میں مصروف رہتے تھے۔ مجلس تحقیق اسلامی بھی اسی میدان میں مصروف رہی۔ ہمارے سامنے سیاست وقانون کا شرعی تصور تو واضح تھا لیکن جو علمی چیلنج درپیش تھا وہ سیاست وقانون کے تمدنی ارتقاء کا تھا کہ دورِ حاضر میں متمدن اداروں کی تشکیل کیسی ہونی چاہیے؟ سیاسی طور پر عالم اسلام میں جمہوریت اور سوشلزم کی اسلام کے ساتھ جو پیوند کاری ہو رہی تھی اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ اسی طرح حکومتوں کے نظام اسلامی اصولوں پر کیسے استوار کیے جا سکتے ہیں؟ اگرچہ ۱۹۷۳ء کا پاکستانی دستور پارلیمنٹ نے بنایا لیکن اس پر اثر انداز لامحالہ تمام ادارے ہوئے جو علمی تحقیقات اور فکری جائزے پیش کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے رجحانات شریعت کے حق میں نہ ہونے کے باوجود ۱۹۷۳ء کے دستور میں دکھانے کو بہت سی اسلامی دفعات بھی شامل ہو گئیں اور ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں وغیرہ کو غیر مسلم اقلیت بھی قرار دیا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۷۷ء کی نظام مصطفیٰ تحریک کے نتیجے میں جنرل محمد ضیاء الحق نے مارشل لاء لگایا تو اسی تحریک کا دباؤ تھا کہ جنرل محمد ضیاء الحق نے نفاذ شریعت کے حوالے سے علماء اور مشائخ کے ملک گیر کنونشن بھی کیے جن میں علماء اور مشائخ کو اپنے اعلیٰ مشیران بنانے کے ساتھ ساتھ شریعت کی بالادستی کے اعلانات بھی ہوتے رہے۔ افسوس ہے کہ یہ اعلانات صرف سیاسی رہے۔ نہ تو علماء کو مشیر بنانے کا نوٹیفکیشن جاری ہوا اور نہ ہی نفاذ شریعت کے لیے کوئی ٹھوس بنیادیں مہیا ہو سکیں گویا جڑوں کو مضبوط کرنے کی بجائے شاخوں پر کام ہوتا رہا۔ مخالفین تو اس پر بھی چیں بہ جبیں تھے کہ اس طرح دینی حلقوں کو عزت مل رہی ہے۔ سپر قوتوں کی سازش سے عالمی سطح پر مسلمانوں کے دو بلاک بنا کر انہیں تصادم کی راہ پر ڈال دیا گیا۔ اسی بناء پر اسٹیبلشمنٹ کو یہ موقع ملا کہ وہ نفاذ شریعت کی راہ میں فرقہ واریت کو ایک بڑی رکاوٹ بنا دیں تاکہ پاکستان میں اسلام کی عملداری نہ ہو سکے۔

مجلس تحقیق اسلامی نے پیپلز پارٹی کے سات سالہ دور میں جو علمی اور فکری کام کیا تھا، جنرل محمد ضیاء الحق کے ابتدائی دور میں جب شرعی عدالتیں بنانے کے اعلانات ہوئے اور تمام صوبوں کی ہائی کورٹس کو مشروط طور پر ملک میں اسلامی اور غیر اسلامی قوانین کا نکھارا کرنے کا اختیار ملا تو اسے بروئے کار لانے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔ اس وقت لاہور اور فیصل آباد کے دینی مدارس میں قاضی کورسز کروائے جا رہے تھے۔ مجلس کی سوچ یہ تھی کہ چار یا چھ ماہ کے مختصر ریفریشر کورسوں سے قانون دانوں کی شریعت کے لیے خاطر خواہ تربیت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہم نے اپنے استاذ محترم شیخ ابن باز، جو ان دنوں سعودی عرب کے مفتی اعظم تھے، کے تعاون سے سعودی یونیورسٹیوں سے سکالر شپ منظور کروائے اور ایسا پروگرام بنایا کہ علماء اور قانون دانوں کو ان کی الگ الگ علمی کمزوریاں دور کر کے مزید تعلیم کے لیے سعودی یونیورسٹیوں میں بھی بھیجا جائے۔ ہم نے اس امتزاجی تعلیم کی غرض سے ایک سالہ سرٹیفکیٹ کورس اور دو سالہ اعلیٰ ڈپلومہ کورس کرانے کا پروگرام بنایا۔ جس کی بنیاد پر انہیں سعودی یونیورسٹیز کے لیے منتخب کیا جاتا تھا۔ یہ پروگرام ہم نے جامعہ لاہور الاسلامیہ کے تحت 'المعهد العالي للشريعة و القضاء' کے نام سے شروع کیا اور قانون دانوں اور علماء کے لیے الگ الگ کورس ترتیب دیے اگرچہ ان کی کئی کلاسیں اکٹھی بھی ہوتیں تاکہ ان کو باہم قریب

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لایا جائے۔ ہمارے پہلے بیج سچو حضرات سکالرشپ پر سعودی عرب کی مختلف یونیورسٹیوں میں گئے، ان کی تعداد اٹھاون تھی۔ ان کورسوں میں میرے سیکرٹری عطاء الرحمٰن ثاقب اور خالد سیف شہید بھی برابر شریک رہے۔ اس لیے ان کا داخلہ بھی 'المعهد العالی للشریعة و القضاء' کی طرف سے جامعة ا لملك سعود میں ہوگیا، جہاں سے فارغ ہونے کے بعد میں نے عطاء الرحمٰن ثاقب (شہید) کو جامعة الامام محمدبن سعود الاسلامیه کے چار سالہ اعلیٰ تعلیم کے کورس میں دوبارہ داخل کرادیا۔لیکن علامہ احسان الٰہی ظہیرانہیں جامعة الإمام کی طرف سے اپنے معاون خاص کی حیثیت سے پاکستان لے آئے۔

س: پہلے بیج کے ان کورسوں میں کتنے علماء و وکلا کو داخلہ دیا گیا؟

ج: 'المعهد العالی للشریعة والقضاء' میں داخلہ کے لیے پاکستان بھر سے سات سو کے قریب علماء اور قانون دانوں نے درخواستیں دی تھیں لیکن ہم اتنی بڑی تعداد کے متحمل نہ تھے لہٰذا ہم نے داخلہ کی سخت شرائط کے تحت مقابلہ کے امتحانات کی طرح پہلے اعلیٰ معیار کا تحریری امتحان لیا پھر کامیاب ہونے والوں میں سے ۲۵۰ کا انٹرویو ہوا جن میں سے ۱۸۷ کا انتخاب کیا گیا۔

س: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مقاصد پورے ہو رہے ہیں؟

ج: اِنسان جب کام شروع کرتا ہے تو بہت زیادہ اُمیدیں رکھتا ہے لیکن جب کام آگے بڑھتا ہے تو اس کی کمزوریوں اور فوائد کا شعور ہونے لگتا ہے کہ اس میں کیا فائدے ہیں اور کیا کمزوریاں ہیں؟ میں نے تجربے سے یہ چیز محسوس کی ہے کہ تعلیم کے ساتھ تربیت کی بڑی اہمیت ہے۔ جو لوگ شام کی کلاسز پڑھنے کے بعد فارغ ہوگئے ان کی حتی المقدور تربیت نہیں ہوسکی۔ جز وقتی تعلیم میں آپ علم تو سکھا سکتے ہیں مگر طلبہ کی شخصیت کے اندر آپ بہت کم اثر انداز ہوسکتے ہیں۔

س: اپنے قیام سے لے کر اب تک مجلس نے جن علمی منصوبوں پر کام کیا ہے ان کے بارے میں بتائیے؟

ج: میرے سامنے دو چیزیں بہت اہم تھیں۔ ایک تو سرمایہ داریت اور سوشلزم کے تقابل سے اسلام کا معاشی نظام کیا ہے؟ اور دوسری یہ کہ میں نے محسوس کیا کہ اہل حدیث ایک فرقہ بن گیا ہے۔ اس کے رجحانات 'اہل حدیث کے امتیازی مسائل یا اہل حدیث کی فقہ' تشکیل دینے میں زیادہ خرچ ہو رہے ہیں۔ اِبتداء میں، میں نے ارادہ کیا کہ 'محدث' کے دو نمبر نکالے جائیں: ① اہل حدیث نمبر ② اسلامی معیشت نمبر

پہلے نمبر میں ایسے مضامین لکھوائے جائیں جن سے واضح ہو کہ قرون اولیٰ میں دو اجتہادی مکتب فکر 'اہل حدیث' اور 'اہل الرائے' کیسے بنے؟ پھر ان کا تاریخی ارتقاء کن مراحل سے گزرا؟ نیز برصغیر میں 'تحریک اہل حدیث' کیسے چلی؟ اور آج کل مسلک اہل حدیث کیا ہے؟ دوسرے نمبر میں میری خواہش یہ تھی کہ سرمایہ داریت جو سود اور ٹیکس کے دو پہیوں پر چل رہی ہے، اس کے بارے میں اسلامی مؤقف کھل کر پیش کیا جائے اور حالات حاضرہ میں سرمایہ دارانہ نظام کے پروردہ جو ادارے تشکیل پذیر ہوئے ہیں، انہیں کس طرح اسلامی اصولوں پر استوار کیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح سوشلزم جس نے سرمایہ داریت کو معاشی ناہمواری کی بنیاد قرار دے کر اپنے لیے ہمدردی حاصل کی وہ نہ صرف انسانی نفسیات کا ساتھ نہیں دے سکتا بلکہ اپنے دعووں میں حقیقی طور پر کبھی کامیاب نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا۔ یہ دونوں نظام نعروں پر چل رہے ہیں اور انسانی حرص و آز یا اس کے ردعمل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ عوامی تحریکیں نعروں سے کامیاب تو ہو جاتی ہیں لیکن ٹھوس کام کے بغیر عوامی دکھوں کا مداوا نہیں کرسکتیں۔ تحریک پاکستان اور ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ کا حشر بھی ہمارے سامنے ہے۔ اسی طرح اسلام کو صرف تحریک بنانے کی بجائے اس کے اجتماعی نظام ہائے حیات پر بہت کچھ تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ بالخصوص تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی اداروں نے جو شکل اختیار کی ہے، انہیں اسلامی اصولوں پر کس طرح استوار کیا جائے؟

آج کل سیکولرزم اور اسلام کی کشمکش ہے۔ سیکولرزم عقائد، عبادات اور خاندانی رسوم رواج کی حد تک مذہب میں مداخلت نہ کرنے کی بات کرتا ہے۔ لیکن اِجتماعیت کے میدان میں سیاست، معیشت اور معاشرت میں دین وشریعت کے حوالے سے بات کرنے کا روادار نہیں حالانکہ تہذیب وثقافت (Culture) کی تعمیر میں معاشرے کا ابتدائی یونٹ 'خاندانی ادارہ' بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اسی طرح اسلام ایک جامع دین وشریعت ہے جو پرائیویٹ اور پبلک زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج سیکولرزم اپنا سب سے بڑا دشمن اسلام کو سمجھتا ہے۔

سیکولرزم جن شعبوں کو انسان کی پرائیویٹ زندگی قرار دیتا ہے اس کے بارے میں تمدن (Civilization) کا زیادہ دخل نہیں ہے۔ اگرچہ دنیا کے Global Village بن جانے اور مسلم اور غیر مسلم مخلوط معاشروں کی وجہ سے نئے مسائل ضرور پیدا ہوئے ہیں، جن کی تحقیق کی ضرورت ہے لیکن یہ سب کچھ نہیں ہے۔ البتہ پبلک سیکٹر آج کا بڑا چیلنج ہے، جس میں بہت کچھ تمدنی ارتقاء کی بناء پر تبدیلیاں آرہی ہیں اور نئے نئے ادارے تشکیل پانے کی وجہ سے نہ صرف اسلامی تعلیمات کی گہرائی میں جانے کی ضرورت ہے بلکہ اسلامی اصولوں اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر اجتماعی نظاموں کی ترقی یافتہ شکل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ آج ہم بڑی آسانی سے یہ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ ہمیں اسلامی خلافت کا احیاء کرنا ہے لیکن اس وقت عالم اسلام ۵۷ ملکوں اور حکومتوں پر مشتمل ہے، اس پر علمی اور تحقیقی کام سے زیادہ عملی مشکلات درپیش ہیں۔

جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ہم 'المعهد العالي للشريعة والقضاء' کے تحت علماء اور قانون دانوں کو دوسالہ کورس کرواتے رہے، جس میں کورس ورک کے علاوہ مندرجہ بالا اہم مسائل پر تحقیقی مقالہ جات بھی لکھوائے گئے اور ان کی تکمیل پر ہی فارغ ہونے والوں کو اعلیٰ ڈپلومہ دیا گیا اور مزید تعلیم کے لیے بیرونی یونیورسٹیوں میں بھی بھیجا گیا۔ سعودی اعلیٰ وِزارتِ تعلیم، جامعہ الازھر۔ مصر اور دیگر یونیورسٹیوں نے اُسے خاصی اَہمیت دی۔

اس طرح ہمارے علمی منصوبے دامے درمے سخنے آگے بڑھتے رہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اتنی پذیرائی دی کہ (جنرل پرویز مشرف کی طرف سے انقلاب لانے تک) اعلیٰ عدلیہ کے تعاون سے عدالتی افسران کو بھی مختصر یا لمبے کورس کروانے کا موقع ملتا رہا اور مجلس تحقیق اسلامی نے کئی دیگر اہم علمی اور تحقیقی پروگرام بنائے۔ جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

ضیاء الحق نے اَپنے دور میں نفاذِ شریعت کیلئے جو پیش رفت کی تھی، اس میں سے بعض دستوری تبدیلیاں بھی شامل ہیں۔ جن میں قرارداد مقاصد کو دستور کے دیباچہ سے نکال کر متن دستور میں اس طرح داخل کیا گیا کہ قراردادِ مقاصد کو مؤثر قانونی حیثیت حاصل ہو۔ اسی طرح پہلے تمام صوبوں میں ہائی کورٹس کو مشروط طور پر بہت سے ذیلی قوانین کو

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شریعت کی روشنی میں جائزہ لینے کا اختیار دیا گیا۔ بعدازاں اس مقصد کے لیے وَفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کا شریعت بنچ بنایا گیا۔ ان اعلیٰ عدالتوں میں جب شریعت کی موافقت اور عدم موافقت کے بارے میں علمی بحثیں ہونے لگیں تو اندازہ ہوا کہ قانون دانوں کے لیے ایک بڑا مسئلہ شریعت کے مستند اور علمی ورثہ تک رسائی کا ہے جو اینگلو سیکسن لاء کے تربیت یافتہ حضرات کے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے وجود میں آنے سے پہلے لاہور ہائیکورٹ میں جسٹس (ر) بدیع الزمان کا ایک کیس زیرِسماعت آیا جس میں ملک بھر سے ۵۳ قانون دان، سکالر اور دینی جماعتوں کے راہنماؤں نے سیاسی جماعتوں کے بارے میں اپنا مؤقف پیش کیا۔ مجھے خصوصی طور پر عدالتی بنچ کا تعاون کرنے کا بھی موقع ملا۔ میں نے تمام عدالتی بحث اور ریکارڈ کا جائزہ لیتے ہوئے جو بڑی کمی محسوس کی وہ یہ تھی کہ وکلاء حوالہ کے لیے ثانوی یا ثالثی درجے کی کتابیں پیش کرتے۔ اسی طرح علماء بھی جدید اداروں کے نظام سے خاطر خواہ واقف نہ ہونے کی بناء پر عدالت کو زیادہ مطمئن نہ کر سکتے۔

انہی دنوں ایس ایم ظفر صاحب نے مجھے یہ تجویز پیش کی کہ اعلیٰ عدالتوں کے اہم فیصلے قانونی نظائر کے طور پر چھپتے رہتے ہیں حالانکہ ہمارے لیے اس سے اہم تر نظائر اسلامی عدالتوں کے فیصلے ہیں جن کی بنیاد عہدِ رسالت اور اس سے متصل خلافت راشدہ کا دور ہے۔ لہٰذا اس کا ایک مجموعہ 'عربی زبان' میں تیار ہونا چاہیے۔ چنانچہ مجلس تحقیق اسلامی کی طرف سے جناب ریاض الحسن نوری نے یہ کام شروع بھی کر دیا لیکن ایس ایم ظفر اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے اسے جاری نہ رکھ سکے۔

بعدازاں قانون دانوں کی تربیت اور عدالتوں کے اسلامی فیصلوں کو جمع کرنے کا پروگرام دوبارہ اس وقت زیرِغور آیا جب 'المعهد العالی للشریعة والقضاء' نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کے تعاون سے کچھ خصوصی کورس کرائے جن میں لاہور ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ کے بہت سے حاضر سروس اور ریٹائرڈ ججوں نے بھی شرکت کی۔ جبکہ لاہور، قصور، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ وغیرہ سے ماتحت عدلیہ کی ایک بہت بڑی تعداد شریک کورس رہی۔ انہی دنوں مجلس تحقیق اسلامی کا مذکورہ بالا منصوبہ تشکیل پایا پر ایک سال کام ہوتا رہا اور یہ طے پایا کہ یہ منصوبہ عہدِ نبوت سے لے کر دورِ حاضر تک کے فیصلوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ یہ تمام اسلامی فیصلے پہلے اصل زبانوں میں ترتیب دیئے جائیں۔ بعدازاں انہیں عربی، فرانسیسی، انگریزی اور اردو میں منتقل کیا جائے۔ اس منصوبے میں جسٹس (ر) محمد رفیق تارڑ (سابق صدر پاکستان)، جسٹس (ر) عبدالقدیر چوہدری، جسٹس (ر) خلیل الرحمٰن خان، جسٹس (ر) قربان صادق اکرام، جسٹس (ر) منیر مغل وغیرہ پیش پیش رہے۔

اس کا نام 'الموسوعه القضائیة' (Encyclopedia of Islamic Judgments) رکھا گیا۔ جس پر مجلس تحقیق الاسلامی نے ان تھک کام کیا ہے اور عہدِ نبوت سے خلفاء راشدین تک الحمدللہ کام مکمل ہوگیا ہے جو آگے جاری ہے۔ اس کی نظرِ ثانی اور دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کیلئے مجلس کا تعاون سعودی عرب، سوڈان اور مراکش بھی کر رہے ہیں۔ اس کام میں ہمارے پیشِ نظر زیادہ تر قانون دان ہیں، دیگر اشخاص اور ادارے بھی ان شاء اللہ اس سے کافی فائدہ اٹھائیں گے۔

س: مجلس کے رفقاء کا اِنتخاب کرتے وقت کن علمی اِمتیازات کو ترجیح دی جاتی ہے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ج: یہ فطری امر ہے کہ کوئی شخص یا ادارہ جس طرح کے منصوبے بناتا ہے اسی طرح کے لوگوں سے رابطہ رکھتا ہے، میرا اِبتدائی رُجحان قانون اور علمی سیاست کی طرف زیادہ تھا اس لیے میں نے جہاں یہ فیصلہ کیا کہ مجھے عملی سیاست میں نہیں اُترنا، وہاں اس میدان میں علمی اور تحقیقی کام کیلئے میری بھرپور کوششیں جاری اور ساری رہیں۔ اس سلسلہ میں قانون اور عدالت سے متعلق مذکورہ بالا حضرات کا تو ذکر ہو چکا لیکن پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسرز اور اسلامی ذہن کے دانشور کسی نہ کسی حوالے سے آج تک ہمارے ساتھ مربوط رہے ہیں۔ بلکہ نفاذِ شریعت کی علمی تحریک ہو یا مختلف مکاتب فکر کو اکٹھا کرنے کی تحریک ہم اس سلسلے میں اگر پیش رو نہیں تو کسی سے پیچھے بھی نہیں رہتے۔ آج کل 'ملی مجلس شرعی' کے نام سے اسی کام کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

س: آج کل کن کن منصوبوں پر کام ہو رہا ہے یا مجلس تحقیق اسلامی کے آئندہ پروگرام کیا ہیں؟

ج: مجلس کا عظیم منصوبہ 'موسوعہ قضائیہ' تو چل ہی رہا ہے، البتہ معاشی اور معاشرتی میدان بھی ہمارا مطمح نظر ہیں۔ معاشیات کے سلسلے میں قوانین کا جائزہ ۱۹۸۵ء تک وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار میں نہیں تھا اس لیے اس میدان میں ۱۹۸۵ء کے بعد ہی ہمیں کام کرنے کی طرف زیادہ توجہ ہوئی۔ میری مراد سود سے متعلقہ قوانین ہیں جن کے بارے میں پہلے وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ دیا اور بعدازاں سپریم کورٹ کے شریعت بنچ نے ۱۹۹۹ء کے اندر اس کے تفصیلی پہلوؤں کو واضح کیا۔ شرعی عدالت کے لیے ہم نے اپنا بھرپور علمی تعاون مہیا کیا اور میں نے خود سپریم کورٹ میں پیش ہو کر سود کی بحث میں حصہ لیا اور اس موقع پر محدث نے اپنا خصوصی شمارہ 'سود نمبر' بھی نکالا۔ سپریم کورٹ (شریعت بنچ) نے سود کے خلاف بڑے اہم نکات پیش کیے تھے لیکن جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے سازش کرتے ہوئے اسے نہ صرف کالعدم کروایا بلکہ یہ کیس دوبارہ وفاقی شرعی عدالت کو ہی بھیج دیا گیا جس کی ابھی تک کوئی نئی سماعت ہوتے بھی نظر نہیں آ رہی۔ آج کل ہم معاشیات کے میدان میں Centre of Excellence for Islamic Economics, Finance and Banking کا تربیتی اور تحقیقی مرکز قائم کرنے کیلئے کوشاں ہیں۔

اس مرکز کو قائم کرنے کی بنیادی سوچ یہ ہے کہ ہماری تجارت اور بینکاری اسلامی اصولوں پر قائم کرنے کے لیے رجالِ کار کو تیار کیا جائے۔ کیونکہ ابھی تک معاشیات کے میدان میں صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں نے سودی نظام کے ساتھ اسلامی پیوندکاری کا کام شروع کر رکھا ہے۔ یعنی موجودہ بینکاری سسٹم کے مختلف پروگراموں کو حیلے بہانے سے اسلامی قرار دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اسلام کے دعوے دار بینکوں نے شرعی مشیروں کو بھاری مشاہرے دے کر اسی کام کے لیے اپنا ہمنوا بنا رکھا ہے۔ گویا ان کا مقصد سود کا خاتمہ نہیں بلکہ سود کی مختلف شکلوں کے لیے حیلوں سے شرعی تائید پیش کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ سیکولر بنک بھی اسلامی ونڈوز کھول کر اس نفع بخش کاروبار میں شریک ہو رہے ہیں۔ اگرچہ ایسے مشیران خاص حلقوں میں یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ یہ اسلامی بینکاری کا عبوری دور ہے۔ گویا جس طرح جمہوریت اور سوشلزم کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگا کر مسلمانوں نے انہیں اسلامی بنا لیا، اسی طرح اسلامی بینکاری کو رواج دیا جا رہا ہے۔ ہمارے معاشی ماہرین اور قانون دان حضرات شریعت کی ٹھوس تعلیمات اور گہرے مقاصد سے تو واقف نہیں، اس لیے وہ اسے ہی اسلام سمجھ رہے ہیں۔ ضرورت اس اَمر کی ہے کہ اس میں وہ لوگ آگے آئیں جو

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب وسنت، مقاصد شرعیہ اور اِسلامی اصول وقواعد کا تقابلی مطالعہ رکھتے ہوں، جن کے معاون وہ لوگ بھی بنیں جو جدید نظاموں سے واقف ہیں۔ واضح رہے کہ اصل شریعت ہے جس کے مطابق اداروں کی تشکیل ہونی چاہیے، نہ کہ اداروں کو اصل قرار دے کر شریعت کی پیوندکاری کی جائے۔

اسلامی بینکاری کے سلسلے میں ہم نے تقریباً دو سال سے کام شروع کر رکھا ہے، جس میں پہلے ہم نے علماء اور بینکار حضرات پر مشتمل ایک بڑا سیمینار کیا۔ اس مذاکرے کے دوران جو اہم پہلو اور نکات اجاگر ہوئے، ہم نے ان پر غور وفکر کے لیے ایک گیارہ رکنی کمیٹی بنا دی جس کے اب تک بہت سے اجلاس ہو چکے ہیں۔ اس کمیٹی کے ارکان حسب ذیل ہیں:

۱۔ حافظ ذوالفقار علی	۲۔ ڈاکٹر محمد اکرم میاں	۳۔ جناب محمد ایوب صاحب
۴۔ ڈاکٹر محمد عزیر البازی	۵۔ حافظ عاطف وحید	۶۔ ڈاکٹر عبدالواحد صاحب
۷۔ ڈاکٹر حافظ خلیل احمد	۸۔ پروفیسر محمد آصف انصاری	۹۔ مفتی محمد افتخار بیگ
۱۰۔ حافظ ضیاء اللہ برنی	۱۱۔ حافظ عبدالرحمٰن مدنی	

ہماری یہ مستقل کمیٹی اپنے اجلاسوں میں دیگر علماء اور معاشی ماہرین کو بھی دعوت دیتی رہتی ہے، اس طرح جو نکات طے ہو جاتے ہیں ان کی رپورٹ تیار ہونے پر کمیٹی آئندہ اجلاس میں بقیہ نکات یا نئے پیش آنے والے اہم سوالات پر غور وفکر کرتی ہے۔ اس طرح مسلسل کام چل رہا ہے Centre of Excellence for Islamic Economics, Finance and Banking قائم کرنے کی تجویز بھی اسی کمیٹی کی تیار کردہ ہے۔

س: جدید حلقوں میں مجلس نے جو کام کیے یا اس کے پیش نظر ہیں، ان کا ایک تعارف تو سامنے آ گیا ہے۔ گذشتہ انٹرویو میں آپ نے قرآن مجید کی متنوع قراءات اور مختلف لہجوں کے بارے میں اپنے منصوبے کا ذکر کیا تھا۔ مستشرقین نے قرآن مجید کے ان لہجوں کے حوالے سے عوام کو قرآن سے بدظن کرنے کی بھی بڑی کوششیں کی ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک میں اگرچہ برصغیر میں مروج روایت حفص کے علاوہ امام نافعؒ کی دونوں قراءتیں جو ان کے شاگردوں ورشؒ اور قالونؒ سے منسوب ہیں، اسی طرح رائج ہیں اور بعض دیگر ممالک سوڈان وغیرہ میں دوری عن ابی عمرو البصری بھی پڑھی جاتی ہیں۔ آپ قراء کے حلقوں کے علاوہ عام دانشوروں اور عوام کو کیسے مطمئن کریں گے؟

ج: دنیائے اسلام میں مروج متنوع قراءات اور روایات کی بناء پر بین الاقوامی سطح پر کئی ادارے کام کر رہے ہیں جن میں مجمع الملك فهد (مدینہ منورہ) بھرپور کام کر رہا ہے۔ لیبیا اور مراکش اپنے ہاں رائج قراءتوں پر تو کام کر ہی رہے ہیں لیکن مصر اور سوڈان نے بین الاقوامی سطح پر بھی کافی کام کیا ہے۔ اس لیے وہاں کے عوام متنوع قراءتوں سے مانوس ہیں۔ البتہ برصغیر پاک وہند جہاں اچھے بھلے پڑھے لکھے بلکہ ایم۔ اے اسلامیات تک بہت سے جدید تعلیم یافتہ سادہ قرآن بھی نہیں پڑھ سکتے۔ وہاں قراءتوں کا تعارف کافی مشکل ہے۔ اگرچہ برصغیر میں قاری محی الاسلام پانی پتیؒ نے متواتر عشرہ قراءات پر مشتمل قرآن شائع کیا تھا، بعدازاں پاکستان کے مشہور استاد قاری اظہار احمد تھانویؒ صاحب نے شام کے تیار کردہ دس قراءتوں والے قرآن مجید کو قراءات

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکیڈمی لاہور کے ذریعے چھپوایا تھا جو تجوید وقراءات کے مدارس میں داخل نصاب ہے۔اسی طرح پاکستان کی بیشتر یونیورسٹیاں قرآن سے متعلقہ علوم پر جو تحقیقی مقالے تیار کرواتی ہیں ان میں قراءتوں پر بھی کافی کام موجود ہے جس کی ایک فہرست رشد کے قراءات نمبر حصہ دوم میں شائع ہوچکی ہے۔ہم نے جامعہ لاہور الاسلامیہ کے آرگن ماہنامہ رشد کے جو تین ضخیم حصے شائع کرنے کا پروگرام بنایا، وہ اسی تعارف کی غرض سے ہے لیکن مستشرقین کے طفیلی منکرین حدیث نے غلط طور پر یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا ہے کہ ہم من گھڑت قرآن مجید چھاپ کر اختلافات پیدا کر رہے ہیں۔حالانکہ ہمارا ایسا کوئی اشاعتی پروگرام نہیں ہے البتہ اس سلسلہ میں دوسرے ملکوں اور ہماری دانش گاہوں میں جو کام ہوا ہے اس کا تعارف ہم نے ضرور کروایا ہے۔یا بعض بین الاقوامی اداروں سے ہم علمی تعاون کر رہے ہیں جس میں کویت کا بین الاقوامی ادارہ حامل المسك بھی شامل ہے۔ ایسے شبہات کے ازالہ کے لیے 'رشد' کے موجودہ خاص شمارے (حصہ سوم) میں بھی کئی مضامین موجود ہیں۔ جامعہ لاہور الاسلامیہ کی معہد ثانوی (مدرسہ رحمانیہ) نے تجوید وقراءات کا کام ۱۹۷۷ء میں ہی شروع کر دیا تھا جب کلیۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کے موجودہ نگران اعلیٰ قاری محمد یحییٰ رسولنگری مدرسہ رحمانیہ میں تدریس کے لیے تشریف لائے تھے۔اسی تعلیمی سال کے اختتام پر مدرسہ رحمانیہ بالمقابل قذافی سٹیڈیم (۲۷۰رفیروز پور روڈ لاہور) میں ایک بڑی تقریب منعقد کی گئی تھی جس میں قاری اظہار احمد تھانویؒ، حافظ نذر احمد(مؤلف درس قرآن) اور پروفیسر عبدالقیومؒ (سابق سینئر ایڈیٹر اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) نیر صغیر پاک و ہند میں قرآنی قراءات اور قرآنی خدمات کا ایک تاریخی جائزہ بھی پیش کیا تھا۔اس مذاکرے کے آخر میں قاری اظہار احمد تھانوی نے مدرسہ رحمانیہ سے فارغ ہونے والے حضرات کو اسناد بھی تقسیم کی تھیں، جن میں دو فاضل برادران حافظ عبدالغفار گوندل اور ڈاکٹر حافظ عبدالقادر گوندل بھی شامل تھے۔واضح رہے کہ ڈاکٹر عبدالقادر گوندل نے حال ہی میں وزیر داخلہ سعودی عرب سموا لأمير الملكى نائف بن عبدالعزيز آل سعود کے ہاتھوں ایک بڑا اکیڈمک انعام حاصل کیا ہے جو تقریباً ایک کروڑ پاکستانی روپے کے برابر ہے۔

س: مجلس کے تیسرے انسائیکلوپیڈیا کا بھی تتمہ کے طور پر ذکر کردیجیے۔

ج: علمی تحقیقات کے لیے لائبریری کی بنیادی حیثیت ہے۔اللہ کا شکر ہے کہ لاہور شہر میں مجلس کے پاس ایک دینی اور شریعت کے سارے اہم پہلوؤں پر تصنیفات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔لیکن دینی رسائل وجرائد میں جو بہت سے علمی مقالے اور تحقیقات وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہیں وہ دست برد زمانہ کی نظر ہوجاتی ہیں۔جب موسوعہ قضائیہ کے سلسلے میں دنیا بھر کی لائبریریوں سے ہمارے وفود استفادہ کرتے رہے اور اس طرح سافٹ وئیر کا ایک بڑا ذخیرہ بھی مجلس کی لائبریری میں جمع ہوگیا جو بہت کم کسی اور لائبریری میں موجود ہے۔تو خیال ہوا کہ برصغیر کی گذشتہ ڈیڑھ سوسالہ تاریخ میں جو علمی فکری تحریکیں اور تحقیقی مقالات شائع ہوتے رہے ہیں، ان کو بھی جمع کرنا چاہیے۔

چونکہ ایک بڑی لائبریری ہونے کے ناطے پنجاب یونیورسٹی اور دیگر دانش گاہوں میں ایم۔فل اور پی۔ ایچ۔ڈی کرنے والے حضرات بھی اکثر ہم سے رجوع کرتے۔انہیں بہت دفعہ اپنے موضوع کے حوالے سے

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مطبوعہ تصنیفات کی بجائے رسائل وجرائد سے بھی استفادہ کرنا پڑتا ہے جس کے بارے میں انہیں علم نہیں ہوتا کہ کون کون سے عنوانات پر اہل علم خامہ فرسائی کر چکے ہیں؟ اسی طرح متعلقہ رسائل وجرائد بھی میسر نہیں آتے۔ ہم نے اول تو یہ کوشش کی کہ ۱۵۰ سال سے نکلنے والے زیادہ سے زیادہ رسائل اپنی لائبریری میں جمع کرلیں ورنہ دوسری لائبریریوں سے مراجعت کر کے ان رسائل کے تمام اشاریے تیار کریں تاکہ معلوم ہوجائے کہ فلاں ماہ وسال کے فلاں شمارے میں اس موضوع سے متعلقہ کچھ لکھا گیا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے تقریباً سات سو رسائل کا اشاریہ تیار کرنے کا منصوبہ ہے۔ جن میں سے تقریباً ۸۰ رسائل وجرائد کی اشاریہ بندی ہوچکی ہے۔

س: آپ نے ایک سوال کے جواب میں ابھی ذکر کیا ہے کہ ہم نے دنیا بھر سے اسلامی ورثہ پر مشتمل بہت سے سافٹ ویئر حاصل کیے ہیں۔ کیا مجلس کی کوئی اپنی ویب سائٹ بھی ہے؟ یا سافٹ ویئر کا کام ہورہا ہے؟

ج: مجلس تحقیق اسلامی، ماہنامہ محدث لاہور اور مجلس سے متعلقہ بہت سے حضرات کی اپنی ویب سائٹس موجود ہیں۔ مجلس التحقیق الاسلامی کی اپنی ویب سائٹ کا نام (www.KitaboSunnat.com) ہے۔ جو درج ذیل خدمات انجام دے رہی ہے:

- اُردو زبان میں آن لائن اِسلامی لٹریچر پر مبنی بہترین اُور مستند مواد
- موضوعاتی اِنڈیکس کے ساتھ ہر موضوع پر جید علماء کی تصانیف ومضامین
- کتب اور مضامین کی فری ڈاؤن لوڈنگ کی سہولت
- شرعی راہنمائی کے لیے آن لائن فتویٰ کی سہولت (جوکہ مستقبل قریب کا پروجیکٹ ہے)
- تلاوت قرآن کریم، نظمیں اور تقاریر ودروس پر مبنی آڈیو، ویڈیو سیکشن (جو تکمیلی مراحل میں ہے اور جلد ہی آن لائن کردیا جائے گا۔ ان شاء اللہ)
- مختلف آن لائن اِسلامک سافٹ ویئرز اور آن لائن لائبریری (اس پر بھی کام جاری ہے)
- آن لائن ماہنامہ 'محدث' اور ماہنامہ 'رُشد' (مکمل شمارے)

س: مجلس کے منصوبوں کو جلد مکمل کرنے کیلئے آپ کو کونسی مشکلات حائل ہیں؟

ج: دنیا مسابقت کا میدان ہے، اِنسان چاہتا ہے کہ بڑے بڑے مقاصد فوراً پورے ہوجائیں لیکن عملی میدان میں اترنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اِنسان صرف وہ کام کرسکتا ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے میسر آجائے۔ ظاہری طور پر انہیں وسائل بھی کہا جاسکتا ہے۔ پاکستان کے کچھ تحقیقی اور نشریاتی اِدارے تو وہ ہیں جن کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے لہٰذا ان کے پاس تو وسائل کی کوئی کمی نہیں۔ البتہ تحقیقی کام کو پرائیویٹ طور پر انجام دینے کے لیے نہ صرف عوام کی اخلاقی حمایت کے ساتھ عام زندگی میں پیش آنے والے لٹریچر کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اہل خیر کی بھرپور معاشی سپورٹ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے نشریاتی ادارے علم وتحقیق کی بجائے اپنے تجارتی مقاصد کو بروئے کار لانے پر مجبور ہوجاتے ہیں، چنانچہ وہ یا تو پہلے سے موجود کتب کو نئے سے نئے پرکشش طباعتی معیار سے چھاپنے کا کام کرتے ہیں یا خلیجی ممالک کے مشہور شیوخ کے پمفلٹوں اور تصنیفات کے ترجموں پر ہی اپنا وقت صرف کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ ایسے کاموں کے لیے انہی شیوخ

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعے نہ صرف مالی مدد مل جاتی ہے بلکہ ان کے توسط سے اچھے گیٹ اپ سے چھاپی ہوئی مطبوعات کے بڑے آرڈر بھی ملنے لگتے ہیں جو لاکھوں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔اسی طرح تحقیق کا ذوق رکھنے والوں کی بھی معاشی مشکلات ہوتی ہیں لہٰذا ان کے لیے بھی آسانی اسی میں رہتی ہے کہ وہ پہلے سے طبع شدہ تفاسیر و احادیث کی کتابوں کے اردو ترجموں کی پرانی زبان کی نوک پلک درست کر دیں۔اس طرح انہیں بڑا حق خدمت بھی مل جاتا ہے اوران کی تیار کردہ کتابیں بھی جلد مارکیٹ میں آجاتی ہیں۔

مجلس تحقیق اسلامی نے تجارتی مفاد سے قطع نظر جو مذکورہ بالا تحقیقی کام شروع کیے ہیں، ان کے لیے اسے مناسب اہلیت رکھنے والے محققین کی شدید ضرورت رہتی ہے، اسی طرح مجلس تحقیق الاسلامی نے اصول تفسیر، حدیث اور فقہ پر اساسی لٹریچر مہیا کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ حدیث کی مشہور دو جلدوں پر مشتمل کتاب 'تدریب الراوی' کا اردو ترجمہ عرصہ سے تیار ہے جس کی مراجعت بھی کئی اہل علم سے کروالی گئی ہے۔اسی طرح اصول فقہ کی جامع ترین کتاب 'ارشاد الفحول' (شوکانی) کا ترجمہ اصول فقہ کے متخصص استاد مولانا زید احمد سے کروایا گیا جواب نظر ثانی اور حواشی کے اضافے کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ بہت سے دیگر چھوٹے موٹے کام بھی تیار ہیں جو کسی اشاعتی اور تقسیم کرنے والے ادارے کے تعاون سے ضرورت مندوں تک پہنچ سکتے ہیں۔

س: مجلس کے حالیہ رفقاء کو آپ کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟ کیا وہ آپ کے خوابوں کی تعبیر بن سکتے ہیں؟

ج:

نہیں مایوس اقبال اپنی کشتِ ویراں سے ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی!

میں دینی مدارس بالخصوص جہاں ساتھ ساتھ دنیاوی علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں (جیسے ہماری درسگاہ ہے) اس سے فارغ ہونے والے نوجوانوں کو بڑا قیمتی سمجھتا ہوں۔لیکن جن مشکلات کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے، جب تک وہ نہ پوری ہوں، اس وقت تک ایسے نوجوانوں کو تا دیر مطمئن نہیں رکھا جاسکتا کیونکہ اس عمر میں والدین کی بھی توقع ہوتی ہے کہ نوجوان بیٹا ہمارا سہارا بنے اور نیا گھر بسانے کی آرزو بھی ہوتی ہے اس لیے جب تک کوئی ادارہ ایسے نوجوانوں کو خاطر خواہ معاشی کفالت دے کر انہیں مطمئن نہ کر دے وہ اپنے اعلیٰ مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔میری ہر دم یہی کوشش ہے کہ میں اپنی معنوی اولاد کو ایسے سازگار حالات مہیا کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ ہماری دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرے اور ہماری آخرت بھی بہتر بنا دے۔آمین

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار [البقرة: ۲۰۱]

محکم دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پرمشتمل مفت آن لائن مکتبہ